انسپکٹر جمشید، ۱۳۴ -

غلام وادی

اشتیاق احمد

غلام وادی

اشتیاق احمد

نام، کردار، مقامات اور واقعات فرضی ہیں

نام ناول ——— غلام دادی

بار اول ——— یکم نومبر ۱۹۸۵ء

طابع ——— اشتیاق احمد

خوشنویس ——— محمد سعید نادار

مطبع ——— زاہد بشیر پرنٹرز لاہور

سرورق ——— محمد جاوید چغتائی لاہور

طباعت سرورق ——— نور لے پرنٹرز لاہور

قیمت ——— چھ روپے

سالانہ قیمت ——— اڑھائی سو روپے

اشتیاق پبلی کیشنز

راجپوت مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

حضرت مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہوتے ۔

(رواہ الخطیب)

السلام علیکم ——

میرے ایک قاری نے ایک حیرت انگیز خبر سنائی۔ ان کا کہنا ہے کہ میرے ایک خاص نمبر "وادی دہشت" کی حال ہی میں نقل پڑھنے میں آئی ہے۔ اور نقل بھی کسی غیر معروف مصنف نے نہیں کی، بلکہ ایک جانے پہچانے مصنف نے کی ہے۔ میں اپنے اس صفحے میں نہ تو ان مصنف صاحب کا نام لکھوں گا، نہ ان ناولوں کا، کیوں کہ ابھی تک مجھے ان کے ان ناولوں کو دیکھنے کا اتفاق نہیں ہو سکا اور اتفاق ہو بھی کیسے سکتا ہے۔ جب کہ ان دنوں تو میں اخبار کی بھی صرف سرخیوں سے گزارا کرتا ہوں۔ چار ناول اور چار ناولوں کے بعد سونے پر سہاگا آپ کے ان گنت خطوط۔ یہی کیا کم ہیں کہ میں کسی دوسرے کے ناول پڑھ سکوں۔ میں تو دل میں حسرت ہی محسوس کر کے رہ جاتا ہوں۔ میرے پاس پڑھنے کے قابل کتب کا بہت کافی ذخیرہ موجود ہے، لیکن ان کتب کو ہوا کے پیاسے کی طرح سراب خیال کرتا ہوں۔ جب تک چار ناولوں کی ریس جاری ہے، میں نقل تو کیا اصل ناول بھی نہیں پڑھ سکتا، ہاں۔ ضروری مطالعہ کرنا مجبوری ہے۔ یعنی ناولوں سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور پڑھتا ہوں ——

بہرحال آپ میں سے کچھ قارئین نے تو وہ ناول پڑھا ہو گا اور جان گئے ہوں گے کہ بات کس ناول کی ہے۔ اور یہ بھی محسوس کر چکے ہوں گے کہ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ آپ سب کا کیا خیال ہے ——؟

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

- یہ وقت نماز کا تو نہیں —
- آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا —
- کل آپ کا کوئی ٹیسٹ یا امتحان تو نہیں —
- آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا —
- آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں۔ پہلے نماز اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو جائیں، پھر ناول پڑھیں۔ شکریہ!

مخلص:

اشتیاق احمد

مونچھوں والا

"اوہو — یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟"
انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا اور ان کی نظریں ایک سمت میں اٹک کر رہ گئیں —

"یا اللہ رحم — سر منڈاتے ہی اولے پڑے۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا —

"نہیں تو — ہم میں سے تو کسی نے بھی سر نہیں منڈوایا۔" پروفیسر داؤد نے گھبرا کر کہا اور وہ مسکرا دیے۔

"آپ کیا دیکھ رہے ہیں ابا جان — ذرا ہم بھی تو دیکھیں۔" محمود نے چونک کر کہا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے، آپ ان بڑی بڑی مونچھوں والے کو دیکھ رہے ہیں، لیکن مجھے تو ان میں کوئی خاص بات نظر نہیں آئی — اس شکل صورت سے خطرہ ضرور لگتا ہے — لیکن آپ بھلا کسی خطرے کو کب خاطر میں لاتے ہیں۔" فرزانہ نے

جلدی جلدی کہا۔

"تمھارا خیال ٹھیک ہے فرزانہ۔" انسپکٹر جمشید نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

"جی، لیکن کون سا خیال" فرزانہ نے پریشان ہو کر کہا۔

"یہ کہ میں اس غنڈے کو ہی دیکھ رہا ہوں۔"

"خدا کا شکر ہے۔ آپ غنڈے کی طرف دیکھ رہے ہیں۔" فاروق بول اٹھا۔

"یہ کیا بات ہوئی؟" محمود کاٹ کھانے والے لہجے میں بولا۔

"یہ بڑی مصیبت ہے۔ میں جوں ہی کوئی بات کہتا ہوں، تم کہ اٹھتے ہو، یہ کیا بات ہوئی۔ بھئی بات کا ہونا کوئی شرط تو نہیں ہے۔" فاروق نے برا سا منہ بنایا۔

"ہاں بات تو یہ بھی ٹھیک ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"جمشید۔ تم نے ابھی تک نہیں بتایا۔ اس غنڈے میں کیا خاص بات ہے؟"

"اوہو۔ وہ اٹھ رہا ہے۔ محمود، فاروق تیار ہو جاؤ۔"

"تیار ہو جائیں۔ کس بات کے لیے؟" محمود چونکا۔

"اس کا تعاقب کرنے کے لیے۔ جلدی کرو۔ اگر یہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو بہت برا ہو گا۔"

"جی بہتر۔ آؤ فاروق۔ چاہے کچھ ہو جائے، ہم اسے

نظروں سے اوجھل ہرگز نہیں ہونے دیں گے۔" محمود نے فوراً کہا اور فاروق کا ہاتھ پکڑ کر پارک کے دروازے کی طرف لپکا۔ جب کہ مونچھوں والا ابھی بنچ سے اٹھ ہی رہا تھا۔

"آخر اس شخص میں کیا بات ہے جمشید؟" خان رحمان بولے۔

"بہت ہی خاص بات۔ اگر میرا اندازہ درست نکلا تو یہ ایک سنسنی خیز بات بھی ہو گی۔" وہ مسکرائے۔

"اس کا مطلب ہے۔ سیر کا پروگرام ایک بار پھر غارت ہے۔" پروفیسر داؤد نے منہ بنایا۔

"ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" وہ بولے۔

"لیکن جمشید۔ یہ بھی تو سوچو۔ کہ ہم وادی ہیپ میں پہلی مرتبہ آئے ہیں۔ اور یہ سوچ کر آئے ہیں کہ اس مرتبہ کسی بھی جاسوسی چکر میں نہیں پڑیں گے۔"

"ہوں، لیکن میں مجبور ہوں۔ جب تک اپنا شک دور نہیں کر لیتا، اس وقت تک اس معاملے کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ یہ ایک بہت ہی اہم معاملہ ہے۔ ویسے آپ اطمینان رکھیں، اگر ہم اس معاملے میں الجھ گئے، تب بھی آپ دونوں کو نہیں گھسیٹیں گے، آپ سیر و تفریح کرتے رہیے گا۔"

"لیکن تمھارے بغیر کیا خاک لطف آئے گا؟"

"ہاں یہ مسئلہ بھی ہے۔ اوہو۔ ٹھہرو بھئی۔ پہلے میں ایک

فون کر آؤں۔"

یہ کہتے ہوئے انسپکٹر جمشید اُٹھ کر پارک کے دروازے کی طرف چل پڑے۔ اس وقت تک مونچھوں والا غائب ہو چکا تھا اور وہ دونوں بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔

"فرزانہ! تم نے کچھ اندازہ لگایا۔ کیا چکر چلنے والا ہے۔" پروفیسر داؤد بے چارگی کے عالم میں بولے۔

"ابھی تک کچھ بھی اندازہ نہیں لگا سکی۔ ہاں چکر چلے بغیر نہیں رہے گا، اس کا یقین ہو چلا ہے۔"

"تب پھر ہمیں اپنی تیاری کر لینی چاہیے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"جی۔ کیسی تیاری؟"

"ہوٹل جانے کی۔ اب جب تک یہ معاملہ ختم نہیں ہو جائے گا، ہم ہوٹل سے باہر نہیں نکلیں گے۔ کیوں خان رحمان۔ کیا خیال ہے؟"

"بالکل ٹھیک۔ ان کے بغیر ہم کہیں نہیں جائیں گے۔ کیوں بھئی۔ بچو۔ تم کیا کہتے ہو؟"

"وہی۔ جو آپ نے کہا ہے۔" حامد، محمود، ناز اور شائستہ نے ایک ساتھ کہا۔

ان سب نے وادیٔ سیپ کی سیر کا پروگرام بنایا تھا۔ ابھی رات ہی یہاں پہنچے تھے۔ ہوٹل میں کمرے پہلے ہی بک کرا

لیے گئے تھے۔ بیگم جمشید نے ان کے ساتھ آنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ انھوں نے کہا تھا:

"کیا فائدہ۔ کہیں جانے کا۔ میں جانتی ہوں۔ آپ لوگ ایک دو جاسوسی معاملے میں اُلجھتے جا رہے ہیں۔"

"نہیں بیگم۔ اس بار خالص تفریح کا پروگرام ہے۔"

"آپ کا پروگرام ہو گا۔ جاسوسی معاملات کا یہ پروگرام ہرگز نہیں ہو سکتا۔" انھوں نے کندھے اچکا کر جواب دیا۔

"تم فکر نہ کرو بیگم۔ کوئی معاملہ پاس پھٹکا تو ہم اسے پرے جھٹک دیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔" بیگم جمشید نے فوراً کہا۔

"اوہو! تم چل کر تو دیکھو۔"

"چل کر دیکھنے کا کیا فائدہ۔ میں جانتی ہوں۔"

"اچھا خیر۔ تمھاری مرضی۔" انھوں نے مجبوراً کہا۔

اس طرح وہ نہیں آ سکی تھیں، ورنہ اس وقت خوب قہقہے لگاتیں۔ دس منٹ بعد انسپکٹر جمشید کی واپسی ہوئی:

"کیا آپ نے دارالحکومت فون کیا ہے، ابا جان؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔"

"اور کیا آپ نے گھر فون کیا ہے۔ تاکہ امی جان کی خیریت

معلوم ہو جائے۔"

"نہیں۔ تمہارا یہ اندازہ درست نہیں۔"

"تب پھر کس کو فون کیا ہے؟"

"بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔ آؤ چلیں۔ ہمیں ہوٹل چل کر محمود اور فاروق کا انتظار کرنا چاہیے۔"

وہ باہر نکل کر اپنی کاروں میں بیٹھے اور ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئے۔ ویرن بو ہوٹل وادئ سیپ کا سب سے خوبصورت اور اچھا ہوٹل تھا۔ یہ سات منزلہ تھا اور انہیں کمرے ساتویں منزل پر ملے تھے۔ کمروں کے نمبر ۱۰۳، ۱۰۴ اور ۱۰۵ تھے۔ ہوٹل میں داخل ہو کر وہ لفٹ کے ذریعے اپنے کمروں تک پہنچے:

"کیا اس مونچھوں والے کو آپ نے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے؟" فرزانہ نے ان کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں! یہی بات ہے۔" انھوں نے گول مول جواب دیا۔

عین اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی، انھوں نے سوالیہ انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"شاید بیرا ہے۔" یہ کہہ کر فرزانہ آگے بڑھی اور دروازہ کھول دیا۔

لیکن دروازے پر بیرا نہیں، ایک پریشان حال ادھیڑ عمر آدمی کھڑا تھا۔ اس کے جسم پر اگرچہ قیمتی لباس تھا۔ لیکن وہ

فکر مند نظر آتا تھا:

"ہم۔ مجھے انسپکٹر جمشید صاحب سے ملنا ہے۔" اس نے اندر موجود لوگوں پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

❁

محمود اور فاروق نے باہر نکلتے ہی ایک ٹیکسی روک لی اور اس میں بیٹھ گئے:

"جی۔ کہاں چلنا ہے؟"

"جہاں بھی چلنا ہے، ایک منٹ بعد بتا سکیں گے۔" فاروق مسکرایا۔

"جی کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ابھی ہمیں خود بھی معلوم نہیں کہ کہاں چلنا ہے۔ اندر سے ایک صاحب باہر تشریف لانے والے ہیں۔ ہمیں بس ان کے پیچھے چلنا ہے۔"

"کوئی چکر وکر تو نہیں؟" ڈرائیور نے انہیں گھورا۔

"چکر وکر سے آپ کی کیا مراد؟" محمود نے بھی جواب میں اُسے گھورا۔

"ان دنوں وادئ سیپ میں چکر بہت چل رہے ہیں؟"

"مثلاً!" محمود نے جلدی سے کہا۔

"کچھ دن پہلے ایک صاحب اچانک گم ہو گئے تھے۔ یا یوں کہہ لیں کہ کہیں غائب ہو گئے تھے۔"

"ایک منٹ جناب۔ وہ دیکھیے۔ وہ صاحب ایک نیلی کار میں بیٹھ رہے ہیں۔ ہمیں ان کے پیچھے چلنا ہے۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔" اس نے کہا اور ٹیکسی چل پڑی۔

"ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ ایک صاحب اچانک غائب ہو گئے۔ ان کے گھر والوں نے پہلے تو ہر طرف تلاش کیا، پھر پولیس میں رپورٹ درج کرائی۔ تین دن تک وہ نہ ملا۔ آخر چوتھے دن خود ہی گھر آ گیا۔ گھر والے اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے، لیکن جب اس سے پوچھا گیا کہ وہ کہاں غائب ہو گیا تھا تو وہ کچھ نہ بتا سکا۔ بس یہی کہا کہ اسے تو کچھ بھی معلوم نہیں۔ آج صبح ہی اس کی آنکھ ایک سڑک پر کھلی۔ اور وہ اُٹھ کر گھر آ گیا۔ اسے نہیں معلوم، وہ تین دن کہاں رہا۔"

"عجیب معاملہ ہے۔ غائب ہوتے وقت کی اسے کوئی بات یاد نہیں آ سکی۔"

"صرف یہ کہ وہ سیر کے لیے مغرب کے بعد گھر سے نکلا تھا۔ سیر کی غرض سے عالم پارک کی طرف نکل گیا۔ کچھ دیر سیر کی اور پھر پچھلے دروازے سے باہر نکلا ہی تھا کہ ٹھوکر کھا کر گرا اور پھر اس زور سے گرا کہ بے ہوش ہو گیا۔ دوبارہ ہوش میں آیا تو پارک والی سڑک کے کنارے ہی پڑا تھا۔ وہاں سے اُٹھ کر اپنے گھر آ گیا۔" ڈرائیور بتاتا چلا گیا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔ وہ تین دن سڑک کے کنارے پڑا رہا اور کسی نے اسے دیکھا ہی نہیں۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"جی نہیں۔ پولیس کا خیال ہے۔ وہاں سے اسے اُٹھا کر کوئی لے گیا تھا اور پھر تین دن بعد بے ہوشی کی حالت میں ہی سڑک کے کنارے ڈال گیا۔"

"تو پھر۔ اس سے کیا نتیجہ نکالا گیا۔"

"اس معاملے سے کسی کو کوئی نتیجہ نکالنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ اگر وادی میں بس یہی ایک واقعہ ہوتا۔ اُلجھن تو اس وقت پڑی جب وادی میں ایسے تین چار کیس ہو گئے۔" یہاں تک کہہ کر ڈرائیور رُک گیا۔

"کیا مطلب۔ کیا کچھ اور لوگ بھی۔" محمود کہتے کہتے رُک گیا۔

"ہاں! بالکل اسی طرح تین اور آدمی غائب ہوئے۔ اور تین دن بعد اپنے اپنے گھر پہنچ گئے، لیکن بتا کچھ بھی نہیں سکے۔"

"حیرت ہے، بلکہ بہت حیرت ہے۔" فاروق بڑبڑایا۔

"ان حالات کی وجہ سے میں نے پوچھا تھا کہ کہیں کوئی چکر تو نہیں ہے۔"

"جی نہیں، آپ فکر نہ کریں، اس قسم کا کوئی چکر نہیں ہے۔"

"آپ کون سے شہر سے آئے ہیں؟" ڈرائیور بولا۔

"دارالحکومت سے۔" محمود نے کہا۔

"اس شخص کا پیچھا کرنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کیوں - کیا آپ انھیں جانتے ہیں؟" محمود نے جواب دینے کی بجائے سوال کر ڈالا۔

"ہاں - اچھی طرح۔ یہ تو اس وادی کے بہت مشہور آدمی ہیں، ان کا نام ڈاکٹر سلطری ہے۔"

"ڈاکٹر سلطری - ارے - تو یہ ڈاکٹر ہیں۔ بھئی واہ - کمال ہے۔" محمود حیران ہو کر بولا۔

"آپ غلط سمجھے - یہ وہ ڈاکٹر نہیں - جو علاج کرتے ہیں - بڑے بڑے لوگوں کو بھی تو ڈاکٹر کا خطاب مل جاتا ہے۔"

"ہاں! یہ بات بھی ٹھیک ہے - تو یہ خطاب یافتہ آدمی ہیں۔"

"ہاں! اس وادی کے مشہور آدمیوں میں شمار ہوتے ہیں - سیاست میں حصہ لینا ان کا کام ہے۔"

"اور کام دھندا کیا کرتے ہیں؟"

"ان کا بیان ہے - کئی شہروں میں ان کے کارخانے ہیں، ہوٹل وغیرہ ہیں - لہٰذا انھیں کوئی کام کاج کرنے کی ضرورت نہیں، رہائش کے لیے یہ وادی انھیں پسند آ گئی ہے - اور کوٹھی خرید کر اس میں رہنے لگے ہیں - انتخابات کے موقعوں پر امیدوار کی حیثیت سے کھڑے ہوتے ہیں - اور بس - یہاں ان کا اور کوئی شغل نہیں، گھومنا پھرنا، بڑے بڑے لوگوں سے ملنا - اور بس۔"

"بڑے بڑے لوگوں سے ملنے خود جاتے ہیں یا لوگ ان سے ملنے آتے ہیں؟"

"زیادہ تر لوگ خود ان سے ملنے آتے ہیں۔"

"ہوں - دیکھیے - وہ مڑ رہے ہیں - شاید ان کی کوٹھی آ گئی۔"

"جی ہاں - نیلے رنگ کی کوٹھی دیکھ رہے ہیں نا - بس وہی ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے بھی ٹیکسی کی رفتار کم کر لی اور بولا:

"لیکن آپ لوگ ان کے تعاقب میں کیوں ہیں؟"

"ہمیں بھی ان سے ملاقات کرنا ہے، اگرچہ ہم بڑے لوگ نہیں ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"میرا بل میرے حوالے کر دیں۔" اس نے پریشان ہو کر کہا۔

"کیوں کیوں - ہمیں تو ابھی واپس بھی جانا ہے۔" محمود جلدی سے بولا۔

"نہیں جناب - آپ کے جلد واپس آنے کا کوئی امکان

"نہیں،" اس نے منہ بنایا۔

آخر وہ دونوں نیچے اُتر آئے۔ بل ادا کیا اور کوٹھی کی طرف بڑھے۔

"یہ ہم کیا کر رہے ہیں؟" فاروق گھبرا گیا۔

"نیلی کوٹھی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اور کیا کرتے۔" محمود نے اسے گھورا۔

"لیکن ابا جان کے حکم کے مطابق ہمیں صرف ان کا پتا معلوم کرنا تھا اور وہ ہم معلوم کر چکے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، لیکن لگے ہاتھوں ان سے مل بھی کیوں نہ لیا جائے۔"

"ایک تو یہ تمھاری لگے ہاتھوں عادت مجھے پسند نہیں۔ جہاں دیکھو، لگے ہاتھوں خود کو اُلجھا لیتے ہو۔" فاروق جھلا اُٹھا۔

"بھئی آ گئے ہیں تو ملاقات بھی کرتے چلیں۔" محمود نے کہا اور جلدی سے آگے بڑھ گیا۔

اس وقت ایک نیلی کار نیلی کوٹھی میں داخل ہو چکی تھی۔ پھاٹک ایک ملازم نے کھولا تھا جو ہارن کی آواز سن کر دروازہ کھولنے آیا تھا۔ محمود نے تیز تیز قدم اُٹھائے اور گھنٹی کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔ گیٹ فوراً ہی کھل گیا اور اسی ملازم کی صورت دکھائی دی۔

"کیا بات ہے؟"

"ڈاکٹر صاحب سے ملنا ہے۔"

"کیوں۔ کیا کام ہے؟" اس نے اکھڑ لہجے میں کہا۔

"کام تو ہم انہی کو بتا سکتے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے محمود نے گھنٹی دبا دی۔

"ارے ارے۔ یہ کیا کر رہے ہیں۔ میں بات تو کر رہا ہوں۔" ملازم بوکھلا اٹھا۔

"لیکن ہمیں آپ سے نہیں، ڈاکٹر سلہری صاحب سے بات کرنا ہے۔"

"ڈنگر کے بچے۔ یہ بار بار کون گھنٹی بجا رہا ہے؟" اندر سے ایک دھاڑتی آواز سنائی دی۔

"دو بدتمیز لڑکے۔ اور میں ڈنگر کا بچہ نہیں، خود ڈنگر ہوں۔" ملازم نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"پکڑ کر میرے پاس لے آؤ۔"

"بہت بہتر۔" اس نے کہا اور محمود کی طرف قدم اُٹھایا ہی تھا کہ محمود بول اُٹھا:

"آپ تکلیف نہ کریں، ہم خود ہی ان کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔"

"نہیں۔ میں ان کے حکم کی تعمیل کروں گا۔ تمھیں پکڑ کر

نہیں لے جاؤں گا۔" اس نے ہنستا کر کہا۔

"ایسا نہیں ہو گا۔" محمود نے کہا اور تیزی سے جھکائی دے کر اندر کی طرف دوڑ لگا دی۔

"ارے ـ یہ کیا؟" ملازم بھونچکا رہ گیا۔

"اور اب میری باری ہے۔" فاروق بولا اور اس نے بھی یہی کیا۔

ملازم ان کے پیچھے دوڑا۔ لیکن اس وقت تک تو دونوں ڈاکٹر سلطری تک پہنچ بھی چکے تھے۔ محمود نے پیچھے مڑ کر ملازم کی طرف دیکھا اور بولا:

"مہربانی فرما کر دوڑنا بند کریں۔ اب اس کا کوئی فائدہ نہیں۔"

"کون ہو تم؟" ڈاکٹر سلطری نے جھنا کر کہا۔

"دو بدتمیز لڑکے۔"

"صاف صاف بات کرو۔ ورنہ میں تمھیں پولیس کے حوالے بھی کر سکتا ہوں۔"

"ہم آپ سے ملنے کے لیے آئے تھے۔ آپ کے ملازم ہمیں اندر آنے نہیں دے رہے تھے۔ اتنے میں آپ نے انھیں حکم دیا کہ پکڑ کر لے آؤ۔ ہم نے سوچا۔ اس طرح وقت ضائع ہو گا، لہٰذا خود ہی آپ تک پہنچ گئے۔"

"ہوں۔ کیا چاہتے ہو۔ یہاں تک کس طرح آئے؟" اس

نے دونوں کو کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

"ایک ٹیکسی میں آپ کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک آئے ہیں، پبلک پارک سے۔"

"کیا مطلب؟" ڈاکٹر سلطری اچھل پڑا۔

"فاروق یہ کیا بے وقوفی ہے۔ انھیں یہ بتانے کی کیا ضرورت تھی۔" محمود نے جھنجلا کر کہا۔

"تو پھر کیا کہتا۔ تم ہی بتاؤ۔ جھوٹ بولتا۔" فاروق جھنا اٹھا۔

"اور نہیں۔ جھوٹ تو خیر ہم نہیں بول سکتے۔"

"عجیب احمق ہو، آپس میں باتیں کیے جا رہے ہو۔ اور میری بات کا جواب نہیں دیتے۔ شاید پولیس کو ہی بلانا ہو گا۔"

"اور ہم پر الزام کیا عاید کریں گے؟"

"یہی الزام عاید کر دوں گا۔ تم فکر نہ کرو۔"

"بہت بہتر۔ اگر آپ پولیس کو بلانا چاہتے ہیں تو ہمیں بھی کوئی اعتراض نہیں۔ یوں ہی سہی۔" محمود نے برا سا منہ بنایا۔

ڈاکٹر سلطری نے دونوں کو کھا جانے والی نظروں سے گھورا، آخر بولا:

"تم دونوں کا ضرور دماغ خراب ہے۔ خیر کہو۔ کیا کہنا چاہتے ہو اور پھر چلتے پھرتے نظر آؤ۔ میرے پاس ضائع کرنے کے لیے اتنا وقت نہیں کہ تم جیسوں کے لیے پولیس کو بلاؤں۔"

"بہت بہت شکریہ۔ یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے" فاروق خوش ہو گیا۔

"اب بکو بھی" اس نے دھاڑ کر کہا۔

"محمود! بکنے کا کام تم کر و" فاروق نے فوراً کہا۔

"اچھا۔ سنیے ڈاکٹر صاحب۔ اس شہر میں لوگوں کے غائب ہونے کی جو وارداتیں ہو رہی ہیں۔ ان میں ضرور آپ کا ہاتھ ہے۔ بس ہم آپ سے یہی کہنے آئے تھے۔ آؤ بھئی چلیں"

محمود نے یہ کہتے ہی فاروق کا ہاتھ پکڑا، گیٹ کی طرف مڑا اور تیز تیز قدم اٹھانے لگا۔ دونوں کو ڈاکٹر اور ملازم کے چہرے پر بلا کی حیرت کے آثار نظر آئے، پھر اس سے پہلے کہ وہ کوئی قدم اٹھا سکتے۔ دونوں گیٹ سے باہر تھے۔ اب ان کے قدم اور بھی تیزی سے اٹھ رہے تھے۔ جلد ہی انہیں ایک ٹیکسی مل گئی۔

"کیا خیال ہے۔ ہوٹل کی طرف چلیں۔ ابا جان اور دوسرے لوگ اب تک پارک میں تو ہوں گے نہیں" محمود بولا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ ہوٹل ڈین بو چلو بھئی"

"جی بہتر" ڈرائیور بولا۔ اور ٹیکسی چل پڑی۔

"اس جھڑپ کا کیا فائدہ ہوا۔ اور ڈاکٹر صاحب پر یہ الزام تم نے کس بنیاد پر لگا دیا؟

فائدے اور نقصان کا پتا تو خیر بعد میں چلے گا۔ میں نے تو اندھیرے میں ایک تیر چلایا ہے۔ ان کے چہروں پر حیرت کا عالم ظاہر کرتا ہے کہ ان وارداتوں سے ضرور ان کا کچھ تعلق ہے"

"خیر دیکھا جائے گا۔ تعلق ہو یا نہ ہو۔ ہماری تفریح ضرور غارت ہوتی نظر آ رہی ہے" فاروق نے جھنا کر کہا۔

ہوٹل ڈین بو کے سامنے اتر کر وہ اندر داخل ہوئے۔ لفٹ سے اتر کر اپنے کمروں کی طرف بڑھے اور پھر ٹھٹک کر رک گئے۔ ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں —

دو غلام

"اندر تشریف لے آئیے۔ میں یہاں موجود ہوں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"شکریہ!" اس نے کہا اور اندر آ گیا۔ کرسی پر بیٹھنے کے بعد بولا۔

"آپ حیران نہیں ہوئے؟"

"کس بات پر؟" انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

"اس بات پر کہ مجھے یہ کس طرح معلوم ہو گیا کہ آپ یہاں اس وادی میں بلکہ اس وادی کے ہوٹل برن بو کے ان کمروں میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔"

"میرے خیال میں تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے، یہ بات تو ہوٹل کے رجسٹر سے معلوم ہو سکتی ہے، ہم یہاں میک اپ میں نہیں آئے کہ کوئی پہچان نہ سکے۔"

"ہوں۔ بات ٹھیک ہے، لیکن مجھے آپ کے بارے میں

ہوٹل کے رجسٹر سے معلوم نہیں ہوا۔ میں آپ کو پہچانتا تھا کہ آپ کو دیکھ کر جان گیا ہوں گا۔ اس کے باوجود میں یہاں موجود ہوں۔"

"چلیے، اگر آپ ہمیں حیران کرنا ہی چاہتے ہیں تو ہم حیران ہو جاتے ہیں۔" فرزانہ نے مسکرا کر کہا۔

"بہت بہت شکریہ۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"اب آپ نے شکریہ کس بات کا ادا کیا۔" انسپکٹر جمشید نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔

"اس بات کا کہ آپ نے حیران ہونا قبول کر لیا، دراصل دوسروں کو حیران کرنا میری بہت پرانی عادت ہے۔"

"دیکھیے جناب۔ صرف یہ بتائیے کہ آپ کس سلسلے میں تشریف لائے ہیں۔" انسپکٹر جمشید کا منہ بن گیا۔

"اوہو۔ آپ تو بُرا مان گئے۔ سنیے، میرا نام راحت کاملی ہے۔ میں ایک شخص کے لیے کام کرتا ہوں۔ اس نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ لیجیے۔ آپ خود ان کا پیغام پڑھ لیجیے۔" یہ کہہ کر اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور لفافہ نکال کر ان کی طرف بڑھا دیا۔

فرزانہ نے اپنے والد کی پیشانی پر الجھن کے آثار صاف دیکھے، اس دوران وہ لفافے میں سے کاغذ نکال چکے تھے، وہ بلند آواز

ے اس پیغام کو پڑھنے لگے :

"ڈیر انسپکٹر جمشید !

وادی سیب میں آپ کا آنا مبارک ۔ اگر صرف تفریح کے لیے آئے ہیں تو ہمارے مہمان ہیں ۔ اور اگر کسی اور چکر میں آئے ہیں تو میں وادی کے معاملات میں کسی قسم کی مداخلت پسند نہیں کرتا ۔ یہاں وہی ہوتا ہے جو میں چاہتا ہوں ۔ سب لوگ اس بات کو بخوبی جانتے ہیں ۔ مطلب یہ کہ سیر ضرور کریں ۔ خوب کریں ، کھائیں پییں ۔ اور جب پوری طرح دل بھر جائے تو واپس اپنے شہر چلے جائیے ، لیکن اگر وادی کے کسی بھی معاملے میں ٹانگ اڑانے کی کوشش کی تو پھر صورتِ حال مختلف ہوگی ۔ آپ دیکھیں گے کہ آپ کے راستے میں ہر طرف رکاوٹیں ہی رکاوٹیں کھڑی ہیں ۔ یہ رکاوٹیں موت کی رکاوٹیں بھی ہو سکتی ہیں ۔ میرے یہ الفاظ اگر آپ کو کافی نظر نہ آئیں تو آپ مجھ سے ملاقات کر سکتے ہیں ۔ میرا یہ غلام آپ کو مجھ تک لا سکتا ہے ۔ ہم آمنے سامنے بات کر لیتے ہیں ،

مطلب یہ کہ میں ہر طرح تیار ہوں ۔ فقط

راؤ لطیف ۔"

پیغام ختم کر کے انھوں نے ایک نظر اپنے ساتھیوں پر ڈالی :

"اس پیغام کے بارے میں کیا خیال ہے ؟"

"عجیب سا پیغام ہے ۔ یوں لگتا ہے جیسے سارے شہر کا درد اس شخص کے جگر میں ہے ۔" فرزانہ نے منہ بنایا ۔

"یہ مسٹر راؤ لطیف صاحب کون ہیں ؟" انسپکٹر جمشید راحت کالی طرف مڑے ۔

"میرے آقا ۔ اس پوری وادی کے آقا ۔"

"یہ کیا کام کرتے ہیں ؟"

"انھیں کوئی کام کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے ۔ ان کے لیے نہ جانے کتنے غلام کام کرتے ہیں ۔"

"ایسا معلوم ہوتا ہے ، تم میری باتوں کے جوابات نہیں دو گے ، چلو میں تمہارے آقا سے خود بات کر لیتا ہوں ۔"

"ضرور ۔ شوق سے ۔" اس نے خوش ہو کر کہا ۔

"ہمیں کہاں چلنا ہے ؟"

"وادی کے ایک سرے پر راؤ منزل ہے ۔"

"چلیے ۔ آؤ فرزانہ تم میرے ساتھ چلو گی ۔"

"جمشید ۔ مجھے بھی ساتھ لے لو ، میں خطرہ محسوس کر رہا ہوں ۔"

"خیر ۔ تم بھی چلے چلو ۔ محمود اور فاروق ، جانے کہاں رہ گئے ۔"

یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف مڑے ہی تھے کہ ایک تیز آواز نے انہیں چونکا دیا:

"ارے۔ خبردار۔ یہ تم کیا کر رہے ہو؟"

آواز محمود کی تھی۔ ان کے چہروں پر حیرت کے آثار نمودار ہو گئے۔ جلدی سے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا گیا تو محمود اور فاروق ایک شخص کو گھیرے کھڑے تھے اور وہ نکل بھاگنے کی کوشش میں تھا، لیکن جوں ہی وہ کسی طرف سے نکلنے کی کوشش کرتا۔ وہ اس کے راستے میں آ جاتے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" انسپکٹر جمشید بول اٹھے۔

"ابا جان۔ یہ شخص دروازے سے کان لگائے کھڑا تھا۔ گویا اندر ہونے والی گفتگو سن رہا تھا۔ ہم اس سے صرف یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ یہ ایسا کیوں کر رہا تھا۔ کیا آپ یہ بات معلوم کرنا پسند نہیں کریں گے؟"

"ہاں ضرور کیوں نہیں، لیکن یہاں کھڑے ہو کر نہیں۔ کمرے میں چل کر، کیوں کہ یہاں لوگ جمع ہو جائیں گے، اسے اندر لے آؤ۔"

انھوں نے ایک نظر اس شخص پر ڈالی۔ تنگ منگ سا نوجوان آدمی تھا اور چہرے پر خوف کے آثار تھے۔ وہ اسے کمرے میں لے آئے:

"تم یہ حرکت کیوں کر رہے تھے؟" انسپکٹر جمشید نرم آواز میں بولے۔

"میں۔ مجبور تھا۔" وہ ہکلایا۔

"ایسی کیا مجبوری پیش آ گئی تھی بھائی؟" فاروق نے حیران ہو کر پوچھا۔

"میں راحت کاملی کا ساتھی ہوں۔ ہم ایک ساتھ رہتے ہیں، ہم دونوں راؤ لطیف کے غلام ہیں۔ مجھے یہ ہدایت تھی کہ باہر ٹھہر کر اندر ہونے والی کارروائی کا جائزہ لیتا رہوں۔ اگر راحت کاملی کے ساتھ کوئی گڑبڑ ہو جائے تو میں اس کی مدد کروں۔"

"راؤ لطیف۔ یہ کون صاحب ہیں۔ جو آج کے دور میں غلام پالتے ہیں؟" محمود حیران رہ گیا۔

"آؤ چلیں۔ میں راستے میں بتا دوں گا، ہم راؤ لطیف سے ہی ملنے جا رہے ہیں۔"

"بہت خوب۔ اس کا مطلب ہے، چکر پوری طرح چل پڑا ہے۔" فاروق بڑبڑایا۔

"ہاں! ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ میرا خیال ہے۔ اس مرتبہ چکر کچھ اس قدر طاقت ور ہے کہ سنبھلنے کی مہلت تک نہیں دے رہا۔"

"اللہ اپنا رحم کرے، ایسا معلوم ہوتا ہے۔ یہ چکر حضرات ہمارے
لیے پر تولے رہتے ہیں۔" فاروق بولا۔

وہ مسکراتے ہوئے باہر نکلے۔ پروفیسر داؤد اور بچوں کو وہیں
چھوڑ دیا گیا۔ ہوٹل کے ہال سے گزرتے ہوئے انسپکٹر جمشید کو
کوئی خیال آیا۔ وہ اچانک کاؤنٹر کی طرف مڑے اور نزدیک پہنچ
کر بولے:

"مسٹر راز لطیف کون ہیں، کیا چیز ہیں؟"

"جی۔ کیا مطلب؟" کلرک نے چونک کر کہا۔

"میں نے پوچھا ہے۔ راز لطیف کون ہیں، کیا چیز ہیں؟"

"ہم۔ میں نہیں جانتا۔ کوئی نہیں جانتا۔"

"کیا مطلب؟"

"آپ کے اس سوال کا پوری وادی میں کوئی جواب نہیں
دے سکتا۔"

"کیا بات کرتے ہیں؟"

"میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ آپ جس سے بھی راز لطیف
کے بارے میں معلوم کریں گے۔ یہی جواب دے گا۔"

"لیکن اس صورت میں کہ وادی میں اس کا ٹھکانا بھی موجود
ہے۔ کوئی اس کے بارے میں کیوں نہیں جانتا؟" انسپکٹر جمشید
حیران ہو کر بولے۔

"آپ شاید راز منزل کی بات کر رہے ہیں۔" کلرک مسکرایا۔

"ہاں۔ بالکل۔"

"راز منزل ایک عمارت ہے۔ پولیس اسے پوری طرح کھنگال
چکی ہے۔ اس عمارت کے دروازے کسی وقت بند نہیں ہوتے۔
ہر وقت کھلے رہتے ہیں۔ راز لطیف کے غلام عمارت میں جا
کر راز لطیف سے بات چیت کرتے ہیں۔ اس کے احکامات وصول
کرتے ہیں، لیکن انھوں نے کبھی راز لطیف کو نہیں دیکھا۔"

"آپ بھی مجھے عجیب و غریب باتیں بتا رہے ہیں۔ خیر۔ اب
مجھے راز منزل تک جانا ہی ہوگا۔"

"ضرور جائیں۔ وہاں جانے میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ہر کوئی
وہاں جا کر راز لطیف سے بات کر سکتا ہے اور وادی کے مسائل
سے انھیں آگاہ کر سکتا ہے۔ وادی کے مسائل حل کرانے کے
لیے لوگ اب متعلقہ محکموں میں نہیں جاتے۔ بلکہ سیدھے راز
لطیف کے پاس جاتے ہیں، کیوں کہ محکموں کے کارکن عام لوگوں
کی شکایات پر کان نہیں دھرتے۔ راز لطیف کو جب لوگ اپنی
شکایات سناتے ہیں تو نہ جانے کس طرح۔ محکمے کے لوگ فوراً
ہی آ جاتے ہیں اور شکایات دور کر دی جاتی ہیں۔
لوگ راز لطیف سے بہت خوش ہیں۔ لیکن
خوف زدہ بھی ہیں۔ آج تک اس

"آخر محکموں کے لوگ کیوں اس کا حکم ماننے پر مجبور ہیں؟" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"مثال کے طور پر کارپوریشن کسی سڑک کی مرمت نہیں کرا رہی۔ لوگ درخواستیں دے دے کر تھک چکے ہیں۔ آخر وہ راز لطیف کے پاس جاتے ہیں۔ دوسرے دن سڑک کی مرمت کی تیاری شروع ہو جاتی ہے۔ کس طرح۔ یہ کسی کو معلوم نہیں۔"

"انتہائی حیرت انگیز اور دلچسپ۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اس آدمی سے ملنے کے لیے تو میں بہت بے قراری محسوس کرنے لگا ہوں۔" فاروق نے واقعی بے تابانہ انداز میں کہا۔

"میرا بھی یہی حال ہے۔ ابا جان اب چلیے۔"

ان کے کاؤنٹر کی طرف مڑنے کے ساتھ ہی باقی لوگ بھی کاؤنٹر کی طرف آ گئے تھے۔ یہاں تک کہ یہ گفتگو راز لطیف کے غلاموں نے بھی سنی تھی۔ وہ بڑے صبر اور سکون کے ساتھ کھڑے رہے تھے۔ باہر نکل کر وہ اپنی کار میں بیٹھے۔ اس وقت راحت کاظمی نے اپنے ساتھی سے کہا:

"برنم۔ میرا کام ختم ہوا، تم انھیں عمارت تک لے جاؤ۔"

"ٹھیک ہے۔"

ان کا سفر پندرہ منٹ تک جاری رہا۔ آخر برنم نے ایک بڑی سی عمارت کے سامنے کار رکوائی۔ عمارت کے تمام

دروازے کھلے تھے۔ اور اندر کوئی منظر نہیں آ رہا تھا۔

"یہی راز منزل ہے۔" اس نے کہا۔

"لیکن یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے؟"

"یہاں میں تو ہوں، اندر جائیے اور راز لطیف سے بات کر لیں۔"

وہ عمارت میں داخل ہوئے، پھر ایک بڑے ہال میں پہنچ گئے۔

"آقا۔ انسپکٹر جمشید حاضر ہیں۔" برنم نے با ادب ہو کر کہا۔

جواب میں کوئی آواز سنائی نہ دی۔ انھوں نے برنم کی طرف دیکھا۔

"فکر نہ کریں۔ جلد ہی آواز سنائی دے گی۔" برنم مسکرایا۔

وہ انتظار کرتے رہے، پھر ایک منٹ بعد آواز سنائی دی:

"خوش آمدید انسپکٹر جمشید۔ میں نے پیغام بھیج دیا تھا۔ آپ کو یہاں تک آنے کی کیا ضرورت تھی۔" آواز ہال کی دیواروں سے آتی محسوس ہوئی۔

"پیغام ناکافی تھا، اس لیے آنا پڑا۔ یوں بھی آپ کی تعریف بہت سن لی تھی۔"

"شکریہ۔ اگر ذہن میں کوئی الجھن ہے تو بات کر لیں۔"

"سب سے پہلے تو میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کون ہیں؟"

"میرا نام راز لطیف ہے۔ اور بس۔ اتنا ہی تعارف کافی ہے۔"

'آپ تو شہر کی بھلائی کے کام کر رہے ہیں، آپ کو چھپ کر رہنے کی کیا ضرورت ہے؟'

'شہر کی بھلائی کے کام ضرور کر رہا ہوں، لیکن انتظامیہ کی آنکھوں میں کھٹکتا ہوں۔ محکمے کے بڑے بڑے آفیسر میری جان کے دشمن ہیں۔ جوں ہی انھیں معلوم ہوا، ماؤ لطیف کون ہے، وہ مجھے چیر پھاڑ ڈالیں گے۔ اپنے خیال میں۔ میرے خیال میں تو خیر وہ ایسا کرنے کے قابل ہی نہیں۔'

'آپ ایک محکمے کو کوئی حکم دیتے ہیں اور وہ حکم پر عمل نہیں کرتا تو آپ کیا کرتے ہیں؟'

'ان کا ناک میں دم کرتا ہوں۔ ناک میں دم کرنے کا میرا طریقہ ذرا عجیب ہے۔ تفصیل معلوم کرنی ہے تو یہاں کے ایس پی سے معلوم کر لیں۔ مجھ سے تو مطلب کی بات کریں۔'

'اچھی بات ہے۔ آپ نے ہمیں پیغام دینے کی ضرورت کیوں محسوس کی؟'

'یہ بتانے کے لیے کہ یہاں آپ کے ملک کا قانون نہیں چلتا۔ میری حکومت ہے، میرا حکم چلتا ہے، لہذا جو کچھ بھی کریں میری اجازت سے کریں۔'

'اگر میں نے ایسا نہ کیا تو؟'

'پھر نتیجے کی ذمے داری خود آپ پر ہو گی۔'

'اچھی بات ہے۔ میں غور کروں گا۔ کیا مجھے اجازت ہے؟'

'ہاں ضرور۔ کیوں نہیں۔ لیکن یہ بھی سن لیں کہ پولیس نے اس عمارت کی اچھی طرح ٹھونک بجا کر تلاشی لی تھی، لیکن کچھ بھی معلوم نہیں کر سکی، پھر انھوں نے اسے گرا دینے کا منصوبہ بنایا۔ نتیجہ کیا ہوا۔ یہ آپ کو ایس پی بتائیں گے۔'

'گویا آپ ہمیں ایس پی صاحب کے پاس جانے کا مشورہ دے رہے ہیں۔'

'ہاں۔ وہ حالات کی زیادہ وضاحت کر سکیں گے۔ میرے پاس ذرا وقت کم ہوتا ہے۔'

'ٹھیک ہے۔ ایک بات اور بتا دیں۔ آپ کے غلاموں کی تعداد کتنی ہے۔ انھیں آپ کتنی تنخواہ دیتے ہیں اور کس طرح دیتے ہیں؟'

'یہ ایک بات نہیں، کئی باتیں ہو گئیں۔ خیر سنیے۔ میرے غلام ان گنت ہیں، میرے ایک اشارے پر حرکت میں آ جاتے ہیں۔ رہی بات تنخواہوں کی۔ اس شہر میں کئی بہت بڑے دولت مند رہتے ہیں، ان کے پاس بے تحاشا دولت ہے، یہ دولت انھوں نے ناجائز طریقوں سے کمائی ہے، لیکن کسی کے پاس اس بات کا ثبوت موجود نہیں۔ میرے پاس ثبوت موجود ہیں، لہذا میں انھیں اشارہ کر دیتا ہوں اور وہ میرے غلاموں

کو تنخواہیں دیتے ہیں۔ اگر وہ انکار کریں تو میں ان کی دولت کے
ذرائع کے بارے میں مرکزی حکومت کو اطلاع دے سکتا ہوں
اور اس بات سے وہ بہت گھبراتے ہیں، لہذا یہ کوئی مسئلہ نہیں۔"
"میں سمجھ گیا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔
"کیا سمجھ گئے آپ؟" دوسری طرف سے چونکی ہوئی آواز میں
پوچھا گیا۔
"یہ نہیں بتا سکتا۔"
"اوہ۔ کوئی بات نہیں۔ اچھا اب اجازت۔"
اس کے ساتھ ہی آواز آنا بند ہو گئی۔ وہ عمارت سے باہر
نکلے۔ اور کار میں بیٹھ گئے۔
"ہاں بھئی برزم صاحب۔ آپ کا کیا پروگرام ہے؟"
"مجھے شہر میں کسی جگہ بھی اتار دیجیے گا۔" برزم بولا۔
اسے ایک چوک پر اتار دیا گیا۔ جوں ہی اس نے ایک ٹیکسی
پکڑی۔ وہ اس کے تعاقب میں لگ گئے۔ اسے ایک بڑے سے
گھر میں داخل ہوتے دیکھ کر وہ واپس مڑے اور ایس پی صاحب
کے دفتر پہنچے، لیکن وہ گھر جا چکے تھے۔ ایک کانسٹیبل نے انہیں
گھر تک پہنچایا، لیکن ایس پی صاحب انہیں نہیں پہچانتے تھے۔
نام سن کر بھی انھوں نے کسی جوش کا مظاہرہ نہیں کیا۔
"فرمایئے۔ میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟" ان کے لہجے

میں حد درجے خشکی تھی۔
"راؤ لطیف کے بارے میں آپ جو کچھ بھی بتا سکیں۔"
"بہتر یہی ہے کہ آپ اس کے معاملے میں ٹانگ نہ اڑائیں۔"
وہ برا سا منہ بنا کر بولے۔
"نہیں افسوس ہے۔ آپ کو پریشان کر دیا، لیکن آپ کچھ
تو بتائیں۔"
"کیا بتاؤں۔ وہ ایسا ہوا ہے۔ ایک جادوگر ہے جس نے
اپنے جادو کے زور سے ساری وادی پر قبضہ کر لیا ہے۔"
"جادوگر۔ واقعی اس کے لیے جادوگر کا لفظ بہت مناسب
ہے۔ کام اس نے جادوگروں والا ہی کیا ہے۔" فاروق نے
خوش ہو کر کہا۔
"میں تو استعفیٰ دے کر یہاں سے چلا جانا پسند کرتا ہوں،
لیکن میرا استعفیٰ بھی منظور نہیں کیا جا رہا۔"
"کچھ تو بتائیں۔ آخر ابتدا میں اسے کامیابی کس طرح حاصل
ہوئی؟"
"اس کے اعلانات سن کر اور عمارت کے بارے میں معلوم ہو
جانے کے بعد ہم نے راؤ منزل کو گرانے کا حکم دیا۔ عملہ گرانے
کے لیے وہاں پہنچ گیا، لیکن عین اس دوران پولیس ہیڈ کوارٹر
پر ایک بم مارا گیا۔ بم مارنے والا پکڑا نہیں جا سکا۔ عمارت

کو بہت نقصان پہنچا ــ ادھر ماؤ منزل سے آواز اُبھری ــ اگر اس عمارت کو گرانے کا حکم واپس نہ لیا گیا تو سارے شہر میں بموں کے دھماکے ہوں گے۔ دھماکوں کا انتظام کر لیا گیا ہے ــ جوں ہی پہلا پھاوڑا چلے گا ــ ایک اور سرکاری عمارت گر جائے گی ــ بے شک وائرلیس پر تمام سرکاری عمارتوں سے رابطہ قائم کر لیں ــ میں ٹھٹک گیا ــ گھبرا گیا ــ کیا کر سکتا تھا، اس عمارت کو گرانے سے باز آ گیا ــ وہ دن اور آج کا دن ــ وہ چھاتا ہی چلا جا رہا ہے۔"

"اس کا سراغ لگانے کی کوشش نہیں کی گئی؟" محمود نے پوچھا۔

"کیا کوشش کی جائے ــ راستے میں ہزاروں مشکلات آ پڑتی ہیں ــ"

"اس کے کسی غلام کو گرفتار بھی کیا گیا؟"

"ہاں کئی مرتبہ، لیکن انہیں سزا کیا دی جائے ــ ان کے خلاف ہمارے پاس کوئی بھی ثبوت نہیں ہوتا، لہذا پکڑ کر پھر چھوڑ دیتے ہیں ــ ان حالات نے اس کے غلاموں کو اور شیر بنا دیا ــ اور ادھر ہم نے اس کارروائی کو فضول خیال کرکے بند کر دیا۔"

"ابھی تک تو وہ لوگوں کی بھلائی کے کام کر رہا ہے، اگر کل وہ غلط باتوں پر اتر آیا تو کیا ہوگا ــ آپ نے کبھی سوچا ہے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں! بہت سوچا ہے، لیکن میں کیا کر سکتا ہوں ــ آپ ہی بتائیں، میں کیا کروں؟"

"یہ معاملہ میرے حوالے کر دیں ــ میں دیکھ لوں گا۔"

"میں حوالے کرنے والا کون ہوں ــ جب کہ کوئی معاملہ میرے ہاتھ میں ہے ہی نہیں۔"

"آپ اتنا تو کر سکتے ہیں کہ ہمارا راستہ نہ روکیں۔"

"اگر راؤ لطیف نے ایسا حکم دے دیا تو میں آپ کا راستہ روکنے پر بھی مجبور ہوں۔"

"لیکن ہمارے خلاف جرم کیا ظاہر کریں گے ــ جب کہ آپ راؤ لطیف کے آدمیوں کے خلاف کوئی جرم ثابت نہیں کر سکتے۔"

"ہوں ــ میں اُلجھن محسوس کر رہا ہوں ــ پتا نہیں کیا بننے والا ہے، خدا کرے راؤ لطیف ایسا حکم کبھی نہ دے۔"

"اور میں چاہتا ہوں کہ وہ یہ حکم ضرور دے ــ اس صورت میں تو مزا آئے گا۔" انسپکٹر جمشید نے خوش ہو کر کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے ــ

باہر نکل کر وہ کار میں بیٹھے اور ایک بار پھر ہوٹل دیان دو کی طرف روانہ ہوئے۔

"وادی کے حالات تو کچھ زیادہ ہی خراب ہیں۔" فاروق بڑبڑایا۔

"ہاں! میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ہمارے ملک میں کسی

مگر ایسا بھی ہو سکتا ہے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"ابا جان۔ آپ پارک میں اس شخص کو دیکھ کر کسی کو فون کرنے گئے تھے۔ آپ نے اب تک نہیں بتایا کہ فون کسے کیا تھا؟" فرزانہ نے بے قرار ہو کر پوچھا۔

"میرا خیال ہے۔ اب اس سوال کا جواب دینے کی قطعاً ضرورت نہیں رہی۔"

"جی۔ یہ کیا بات ہوئی۔"

"ابھی معلوم ہو جائے گا۔ کہ کیا بات ہوئی۔"

"آپ تو ہمیں اس وقت راؤ لطیف سے بھی زیادہ پُراسرار معلوم ہو رہے ہیں۔"

"نہیں بھئی۔ اس وقت اس شہر میں راؤ لطیف سے زیادہ کوئی پُراسرار نہیں۔" وہ مسکرائے۔

ہوٹل کے اندر داخل ہوتے ہی وہ اچھل پڑے۔ ہال میں ایک ایسا ہی شخص موجود تھا۔

راؤ منزل

"ہائیں۔ یہاں تو انکل اکرام تشریف فرما ہیں۔" محمود چہکا۔

"ہاں! میں نے انہی کو فون کیا تھا۔"

"اوہ۔ میں سمجھ گیا۔ آپ نے ڈاکٹر سلہری کی شناخت کے لیے انکل کو بلوایا ہے۔" فاروق نے کہا۔

"ڈاکٹر سلہری کون؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"وہی مونچھوں والا۔ جس کے تعاقب میں آپ نے ہمیں روانہ کیا تھا۔ ہم تو اس کے بارے میں بتانا ہی بھول گئے، اور ہاں ایک اور بھی خاص بات معلوم ہوئی ہے۔" محمود نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"کمرے میں چل کر بات کرتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔ اکرام سے علیک سلیک ہوئی، پھر وہ اوپر آ بیٹھے۔

"ہاں محمود۔ پہلے تم بتاؤ۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔" اس نے ڈاکٹر سلہری کے بارے میں جو کچھ معلوم ہوا تھا،

بتا دیا، پھر اُن لوگوں کے بارے میں بھی بتایا جو تین چار دن کے لیے غائب ہو گئے تھے اور پھر واپس آ گئے تھے، لیکن واپس آ کر کچھ بھی نہ بتا سکے تھے۔

"یہ اور عجیب بات معلوم ہوئی۔ ان لوگوں کے بارے میں بھی معلومات حاصل کرتا ہوں گی اور یہ سراغ لگانا ہو گا کہ وہ کیوں غائب ہوئے۔ یا کس نے انھیں غائب کیا۔ اور وہ کچھ بتانے کے قابل کیوں نہیں ہیں۔ ہاں انجام، تم ڈاکٹر سلمری کے بارے میں سُن چکے۔ مجھے اس کی شکل جانی پہچانی محسوس ہوئی تھی، لیکن ذہن پر پوری طرح زور ڈالنے کے بعد بھی یاد نہیں آ سکا۔ کہ وہ کون ہے۔ تم اس کام کے ماہر ہو۔ اس لیے تمھیں تکلیف دی۔"

"اس میں تکلیف کی کیا بات ہے۔ میں اسے کہاں دیکھ سکتا ہوں۔"

"ہم اگلے ہی اس کے پاس چلیں گے۔ میرا خیال ہے۔ وہ ٹھیک اپ میں ہے۔"

"لیکن ابا جان ہم اس سے کہیں گے کیا، بلکہ ہم تو اس سے ویسے ہی بگاڑ آئے ہیں۔"

"بگاڑ آئے ہیں۔ کیا مطلب؟"

"آتے ہوئے یہ حضرت ڈاکٹر سے کہہ آئے کہ یہ جو لوگ

تین تین چار چار دن کے لیے غائب ہو رہے ہیں، اس میں آپ کا ہاتھ ہے۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"محمود۔ یہ تم نے کیا کیا؟" انسپکٹر جمشید نے اسے گھورا۔

"مجھے یہی محسوس ہوا تھا۔"

"لیکن اس سے کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ اوہو۔ چلو یہ بھی اچھا ہی ہوا۔" اچانک وہ مسکرا دیے۔

"جی کیا اچھا ہوا؟"

"آؤ چلیں۔" انھوں نے کہا۔

"لیکن ابا جان۔ کیا اچھا ہوا کا جواب آؤ چلیں کس طرح ہو سکتا ہے۔" فاروق حیران ہو کر بولا۔

"ہاں۔ ہو سکتا ہے۔ فکر نہ کرو۔"

"فکر کرنے کے لیے ہم جو یہاں بیٹھے ہیں۔" پروفیسر داؤد بول اُٹھے۔

"آپ کو کیسی فکر انکل؟"

"اس بات کی فکر کہ ہم یہاں سیر و تفریح کے لیے آئے تھے، لیکن اس ہوٹل میں قید ہو کر رہ گئے۔ اس بات کی فکر کہ تم لوگ چکر میں اُلجھ گئے ہو۔ اب پھر کہیں جا رہے ہو۔ نہ جانے کب تمھاری واپسی ہو گی۔ وغیرہ وغیرہ۔" پروفیسر داؤد نے بے چارگی کے عالم میں کہا اور وہ مسکرانے لگے۔

وہ باہر نکل کر ڈاکٹر سلمری کی کوٹھی کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ محمود اور فاروق کو معلوم ہی تھا:

"کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہمارا اور اونٹوں کا چولی دامن کا ساتھ ہو گیا ہے۔" فاروق نے شوخ آواز میں کہا۔

"تمھیں چولی دامن کا کہیں وہم تو نہیں ہو گیا۔" محمود جھلا کر اس کی طرف پلٹا۔

"اور میں سوچ رہا ہوں — آخر یہ شخص راؤ لطیف کیا چاہتا ہے۔" خان رحمان بڑبڑائے۔

"اگر اسے گرفتار نہ کیا گیا تو ایک روز ضرور خطرناک آدمی ثابت ہو گا — بلکہ تھوڑا بہت خطرناک نہیں، خوفناک حد تک خطرناک۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

بیس منٹ بعد وہ ڈاکٹر سلمری کی کوٹھی کے سامنے رکے — محمود نے آگے بڑھ کر گھنٹی کا بٹن دبایا — جلد ہی ڈنکر کی صورت نظر آئی — جوں ہی اس نے محمود اور فاروق کو دیکھا، غصے میں بھر گیا:

"تت — تم — تم پھر آ گئے — صاحب ابھی تک غصے سے کھول رہے ہیں اور مجھ پر بھی غصہ اتار رہے ہیں — ابھی تم نے کیا

بات کر دی تھی۔"

"اوہو — یہ تو تم نے بہت کام کی بات سنائی — خیر اس بار صرف ہم ہی نہیں آئے — ہمارے ساتھ اور لوگ بھی ہیں اور انہیں ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کرنا ہے۔" محمود جلدی جلدی بولا۔

"یہ لو بھئی — میرا کارڈ ڈاکٹر صاحب کو دے دو۔" انسپکٹر جمشید بولے —

اس نے کارڈ لیا اور برے برے منہ بناتا اندر چلا گیا۔

"آخر اس بات پر اسے اتنا غصہ کیوں محسوس ہوا؟" فرزانہ بڑبڑائی —

"اس کا مطلب ہے — ان لوگوں کی گمشدگی میں ضرور اس کا ہاتھ ہے — ورنہ اسے غصہ کھانے کی کیا ضرورت تھی۔" فاروق نے خیال ظاہر کیا۔

اسی وقت ڈنکر آتا نظر آیا — اس کا چہرہ لٹکا ہوا تھا — نزدیک آتے ہی مُردہ آواز میں بولا:

"چلیے جناب! ڈاکٹر صاحب آپ لوگوں سے ملیں گے۔"

"شکریہ — کیا آپ کا خیال یہ تھا کہ وہ ملنے سے انکار کر دیں گے۔" محمود نے منہ بنایا۔

"ہاں، لیکن انھوں نے انکار نہیں کیا، حالانکہ میں نے انھیں تم دونوں کے بارے میں بتا دیا تھا۔"

وہ انھیں ایک شان دار طرز پر سجے ڈرائنگ روم میں لے
آیا — اور باہر نکل گیا — تین منٹ بعد قدموں کی آواز سنائی دی —
اور پھر وہی مونچھوں والا نظر آیا — جسے انھوں نے پارک میں دیکھا
تھا اور پھر محمود اور فاروق نے اس کا تعاقب کیا تھا —
انھوں نے اُٹھ کر اس سے ہاتھ ملائے ، پھر انسپکٹر جمشید
بولے :

"آپ ہماری یہاں آمد پر حیران ہو رہے ہوں گے — دراصل
ان دونوں نے آپ سے یہاں جو بدتمیزی کی — میں اس کی معافی
مانگنے آیا ہوں — اور یہ دونوں بھی آپ سے معافی چاہتے ہیں ، سوچے
بغیر ایک بات ان کے منہ سے نکل گئی — اُمید ہے ، آپ
معاف کر دیں گے ۔"

"کوئی بات نہیں — میں نے معاف کیا ۔" اس نے فوراً کہا۔

"بہت بہت شکریہ — آپ کیا کاروبار کرتے ہیں ؟"

"میرے کئی شہروں میں کارخانے ہیں — بلکہ یوں کہہ لیں کہ
میں ان کارخانوں کا ایک حصے دار ہوں — ویسے میں ذاتی طور پر
سیاست دان ہوں اور سیاست میں حصہ لیتا ہوں ۔"

"آپ کا تعلق کسی پارٹی سے ہے ؟"

"جی نہیں — میں ایک آزاد سیاست دان ہوں ۔" اس نے کہا۔

"بہت بہت شکریہ — اب ہم چلیں گے — دراصل مجھے پریشانی

محسوس ہوئی تھی کہ انھوں نے آپ کے ساتھ یہ کیا سلوک کر ڈالا —
آپ تو اس وادی کے بہت مشہور آدمی ہیں ۔"

"بہت بہت شکریہ ۔"

"اور آپ کی کوٹھی بھی کس قدر خوب صورت ہے — جی چاہتا
ہے — ساری کوٹھی کو اندر سے دیکھا جائے ۔"

"ضرور ضرور — کسی روز تشریف لے آئیے گا — کوٹھی اندر سے
بھی دکھا دوں گا — آج میں ذرا مصروف ہوں ۔" اس نے جلدی
سے کہا۔

"شکریہ — کوئی بات نہیں — ہم پھر کسی روز آ جائیں گے ۔"

وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور باہر نکل کر کار میں بیٹھ گئے۔

"سر —" اکرام نے کچھ کہنا چاہا ، لیکن انسپکٹر جمشید نے فوراً
ہی اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا — اور ہونٹوں پر انگلی رکھ
کر اشاروں میں بتایا کہ کار میں ڈاکٹر سلطری کے بارے میں
کوئی بات نہیں کرنی — اکرام نے سمجھ جانے والے انداز میں
سر ہلا دیا — تب انسپکٹر جمشید بولے :

"ہاں اکرام — کہو — کیا کہنا چاہتے ہو ؟"

"آپ کا یہ تفریحی دورہ کب ختم ہو گا ؟"

"ابھی چند دن اور چلے گا اکرام — دارالحکومت میں حالات
ٹھیک ہیں نا ۔"

"جی بالکل۔"

"ڈاکٹر سلمری تو بہت معقول آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" خان رحمان نے انسپکٹر جمشید کا اشارہ سمجھ کر کہا۔

"ہاں۔ میں نے بھی یہی محسوس کیا ہے۔ محمود اور فاروق نے بلاوجہ ہی ان کے بارے میں غلط بات کہ دی۔"

"ہمیں افسوس ہے ابا جان۔"

"خیر۔ کوئی بات نہیں۔"

آخر وہ ہوٹل کے سامنے کار سے اُترے۔ ہال میں داخل ہونے کے بعد انھوں نے کہا:

"مجھے یقین ہے۔ کار میں کوئی ایسا آلہ ضرور لگایا گیا ہے، جس سے وہ کار میں ہونے والی گفتگو سن سکے۔ اس لیے میں نے تم لوگوں کو اشارا کیا تھا۔"

"لیکن آپ نے تو کار کو چیک کیا ہی نہیں۔"

"چیک تو ہم بعد میں بھی کر لیں گے۔ پہلے ہم تمھارے انکل اکرام کا خیال سُن لیں۔ ہاں بھئی۔ ڈاکٹر سلمری کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے سر، جیسے وہ شمو کانسی ہو۔ جس نے کافی عرصہ پہلے دارالحکومت میں ہل چل مچا دی تھی۔ بے شمار لوگوں کو موت کے گھاٹ اُتار ڈالا تھا۔ اور ایسا کرنے کی کوئی

وجہ بھی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اس نے عدالت میں بس یہی کہا تھا کہ میری ذہنی رو بہک گئی تھی۔"

"شکریہ اکرام۔ تم نے میری اُلجھن دُور کر دی۔ واقعی شمو کانسی کا نام میرے ذہن میں نہیں آ سکا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے تمھیں بلایا۔ اس کا مطلب ہے۔ وہ میک اپ میں ہے۔ لیکن بھئی۔ اسے تو تا زندگی قید کی سزا دے دی گئی تھی۔ اور ہم نے اخبارات میں اس کے فرار کی خبر بھی نہیں پڑھی۔" انسپکٹر جمشید چونک کر بولے۔

"اوہ واقعی۔ یہ بات تو ذہن سے نکل ہی گئی۔"

"ٹھیک ہے اکرام۔ تم فوراً واپس جاؤ۔ ایس پی جیل سے ملو۔ ان سے کہو۔ تم شمو کانسی سے ملنا چاہتے ہو۔ ایک آدھ اخباری نمایندے کو ساتھ لے جانا۔ جو کہے گا۔ شمو کانسی سے انٹرویو لینے آیا ہے۔ اس بہانے تم اس سے مل لو گے بھی اور اخباری رپورٹر اس کی تصاویر بھی اُتارے گا۔"

"جی بہتر۔" اس نے کہا اور ان سے رخصت ہو گیا۔

"اب ہم ذرا اپنی کار کا جائزہ لے لیں۔ پروفیسر صاحب اس سلسلے میں مددگار ثابت ہوں گے۔" یہ کہ کر انھوں نے خفیہ آلے کے امکان کے بارے میں بتایا۔ پروفیسر صاحب فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ کار کے نزدیک پہنچ کر انھوں نے جیب سے ایک

پنسل نما آلہ نکالا اور اسے کار کے مختلف حصوں سے چھونے لگے
آخر ہینڈ بریک کے پچھلے حصے پر ان کا آلہ چپک کر رہ گیا۔ اب
انھوں نے اس جگہ کا بغور جائزہ لیا اور منہ سے کچھ کہے بغیر
پیچھے ہٹ گئے۔

"جمشید! تمھارا خیال ٹھیک ہے۔ اس میں آوازیں کیچ کرنے
کا آلہ فٹ ہے۔ کار میں جو گفتگو ہوئی۔ اسے سنا جا چکا ہے۔
تم نے کوئی راز کی بات تو نہیں کی تھی؟" انھوں نے فکر مندانہ
لہجے میں کہا۔

"جی نہیں۔ آپ فکر نہ کریں، ہم نے تو ادھر ادھر کی باتیں
کی تھیں۔ آپ تو جانتے ہی ہیں، ہم ادھر ادھر کی باتیں کرنے
کے کتنے شوقین ہیں۔" فاروق شوخ آواز میں بولا۔

"ہاں! یہ تو ہے۔" پروفیسر داؤد مسکرا دیے۔

"ابا جان۔ کیا آپ کے خیال میں شموکانسی دارالحکومت کی جیل
میں نہیں ہوگا؟"

"اگر شموکانسی یہاں اس وادی میں موجود ہے تو پھر جیل میں
کس طرح ہو سکتا ہے۔ اور اگر وہ جیل میں ہے تو یہاں نہیں
ہو سکتا۔ ایک آدمی ایک وقت میں دو جگہ کس طرح ہو سکتا
ہے۔"

"جادو کے ذریعے۔" فاروق فوراً بول اٹھا۔

"شموکانسی جادوگر نہیں۔ اس راز بلیک شاید جادوگر ہے، کیونکہ
اس طرح اس نے پوری وادی پر قبضہ کیا ہے۔ وہ جادوگری سے ہی
دہ کر ہے۔" انھوں نے کہا۔

"لیکن جمشید۔ ہم یہاں تفریح کرنے آئے تھے۔" خان رحمان نے
جھنجلا کر کہا۔

"ہاں! اس کا مجھے بھی احساس ہے، لیکن اس وقت میں خود
کو بالکل بے بس محسوس کر رہا ہوں۔ اس کیس نے مجھے بری طرح
جکڑ لیا ہے۔"

"اچھا۔ خیر۔ کوئی بات نہیں۔ دیکھا جائے گا۔" انھوں نے
ل کر کہا اور وہ مسکرا دیے۔

ٹھیک تین گھنٹے بعد فون پر اکرام کی حیرت زدہ آواز
سنائی دی:

"ہیلو۔ سر۔ حیرت انگیز۔ انتہائی حیرت انگیز۔"

"کیا بات ہے اکرام۔ خیر تو ہے؟"

"سر۔ یہاں کی جیل سے بول رہا ہوں۔ رپورٹر صاحب بھی میرے
ساتھ ہیں۔ ہم اندر سے ہو آئے ہیں۔ شموکانسی سے مل آئے
ہیں۔ وہ بالکل شموکانسی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔"

"تب پھر ڈاکو سیفری کس طرح شموکانسی ہو سکتا ہے۔"

"ہاں! میں بھی اسی الجھن میں ہوں۔ شاید ہیں نے دھوکا

کھایا ہے۔ سر کیا آپ مجھے ایک دو گھنٹے کی مہلت دیں گے۔

"تم کیا کرنا چاہتے ہو اکرام؟"

"شمو کانسی کی فائل کا مطالعہ۔ اس میں اس کی عادات ا
اطوار بھی لکھی ہوں گی۔ وہ ذہن میں تازہ کر کے ہم ایک
پھر جیل والے شمو کانسی سے ملاقات کریں گے اور پھر ڈاک
سطری سے بھی ملیں گے۔ تاکہ معلوم ہو کہ جیل والا شمو کانسی و
شمو کانسی ہے۔ اور ڈاکٹر سطری کون ہے۔"

"ٹھیک ہے اکرام۔ تم دو گھنٹے بعد مجھے رپورٹ دو گے۔"

"ضرور۔ شکریہ سر!" اس نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

انسپکٹر جمشید اداس مسکراہٹ کے ساتھ ان کی طرف مڑے
اور بولے،

"اب تم لوگ کیا کہتے ہو؟"

"یہ کہ اس بار کیس بہت پیچیدہ ہے۔"

"خیر۔ اتنا پیچیدہ بھی نہیں۔ وقتی طور پر ہم الجھ ضرور گے
ہیں۔ ہم فرض کر لیتے ہیں کہ ڈاکٹر سطری شمو کانسی نہیں ہے
ات ختم ہو جاتی ہے، لیکن راؤ لطیف والا معاملہ تو پھر بھی خ
نہیں ہوتا۔ لہذا اب ہم پہلے راؤ لطیف کی طرف توجہ دیں گے۔
آخر یہ راؤ لطیف کیا چیز ہے۔ اور اس کے لیے میں نے سوچا
آج رات ہم راؤ منزل کو اچھی طرح ٹھونک بجا کر دیکھیں۔"

"ویری گڈ۔ ایسا تو کرنا ہی ہوگا۔" محمود خوش ہو گیا۔

"خاص طور پر محمود کو تو ایسا کرنا ہی ہوگا۔" فاروق نے
بنایا۔

"کیوں بھئی۔ یہ کیا بات ہوئی کہ محمود کو تو کرنا ہی ہوگا۔"

"ہیرو بننے کے چکر میں جو رہتا ہے۔ لہذا کچھ تو کرنا ہی
ہوگا۔"

"اب اس آگے کا کیا کرنا ہے؟" پروفیسر داؤد بولے۔

"اسے اسی طرح لگا رہنے دیتے ہیں۔ تاکہ شمو کانسی اس خوش
ہی میں مبتلا رہے کہ ہمیں اس کارروائی کے بارے میں کچھ
علوم نہیں۔ ارے مگر۔ اگر۔" انسپکٹر جمشید کے منہ سے حیرت
کے عالم میں نکلا۔ اور پھر وہ خاموش ہو گئے۔

"ارے۔ مگر۔ اگر۔ اس قسم کے الفاظ ہم تو ادا کر سکتے
ہیں۔ آپ نہیں۔ ابا جان۔ مجھے بہت حیرت ہے۔" فاروق نے
گھبرا کر کہا۔

"بھئی اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ میں بھی آخر انسان
ہوں۔"

"جی ہاں۔ اس میں کیا شک ہے۔" فاروق بولا۔

"آپ کو حیرت کس بات پر ہوئی ہے؟" فرزانہ نے حیران
ہو کر کہا۔

"بھئی حیرت کا کیا ہے۔ کسی بات پر بھی ہو سکتی ہے۔ کیا خیال ہے"۔ وہ مسکرائے۔

"شاید آپ بتانا نہیں چاہتے" محمود نے ان کی طرف غور سے دیکھا۔

"یہی سمجھ لو۔ ہاں تو پھر رات کو راؤ منزل کے بارے میں کیا خیال ہے"۔

"ضرور چلیں گے۔ اس سے اچھا پروگرام بھلا کیا ہو سکتا ہے" فرزانہ نے کہا۔

ٹھیک دو گھنٹے بعد پھر اکرام کا فون موصول ہوا۔

اندھیرے کا تیر

"ہیلو سر۔ میں نے دوبارہ جیل کا چکر لگایا ہے۔ شمو کانسی ل کی کوٹھری میں موجود ہے۔ مجھے غلط فہمی ہوئی تھی"۔

"اس کا مطلب ہے، ڈاکٹر سلہری شمو کانسی نہیں ہے" انھوں ے جواب دیا۔

"جی ہاں! میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں"۔

"لیکن اکرام۔ ڈاکٹر سلہری کی حرکات و سکنات، آواز، لہجہ اور ور قامت مجھے جانا پہچانا کیوں لگا۔ اگر یہ شمو کانسی نہیں ہے پھر کون ہے"۔

"اسے دیکھ کر میرا ذہن شمو کانسی کی طرف گیا تھا، لیکن جیل ں دوبارہ اسے دیکھ کر محسوس کیا۔ مجھ سے غلطی ہوئی تھی۔ ل والی تمام علامات اس میں ملتی ہیں"۔

"ہوں۔ کیا تم نے جائزہ لے لیا ہے۔ قیدی شمو کانسی کوئی آدمی تو نہیں جس پر شمو کا میک اپ کیا گیا ہو"۔

"میں نے میک اپ کے امکانات کا جائزہ لیا ہے اور ایسے
آثار نظر نہیں آئے۔"

"اچھا اکرام۔ میں خود آ رہا ہوں۔"

"جی کیا مطلب۔ آپ خود آ رہے ہیں، لیکن کس لیے؟"

"قیدی کو ایک نظر دیکھنے کے لیے۔ اگر میں نے بھی یہی
محسوس کیا کہ وہ میک اپ میں نہیں ہے، تو پھر یہی نتیجہ نکلے گا
کہ ڈاکٹر سلطری کم از کم شمو کانسی نہیں ہے۔"

"بہت بہتر۔ مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" اکرام نے
کہا اور انھوں نے ریسیور رکھ دیا۔

"محمود، فاروق اور فرزانہ۔ تم یہاں پوری طرح چوکس رہنا۔
میں جلد از جلد واپس آنے کی کوشش کروں گا۔"

"جی بہتر، آپ فکر نہ کریں، ہم پوری طرح چوکس سے بھی
دو ہاتھ آگے رہیں گے۔" فاروق بولا۔

"دو ہاتھ آگے رہنے کی ضرورت نہیں۔ مجرم پیچھے سے وار کر
جائے گا۔" انسپکٹر جمشید نے بُرا سا منہ بنایا۔ خان رحمان اور پروفیسر
داؤد مسکرا دیے۔

"اگر آپ اجازت دیں تو ہم آپ کی عدم موجودگی میں اپنا
پروگرام جاری رکھیں۔" محمود نے دبے دبے جوش کے عالم میں کہا۔

"یعنی ہیرو بننے کی کوشش کا پروگرام۔" فاروق نے وضاحت

کی۔

"تمھارا اشارا راز منزل کی طرف ہے۔ ٹھیک ہے۔ تم آج رات
اس عمارت کا جائزہ لے لو، لیکن کوئی خطرہ مول لینے کی
ضرورت نہیں۔"

"اور اگر خطرہ خود ہی جھولی میں آ گرے۔" فاروق بولا۔

"جھولی کو جھٹک دینا۔" انھوں نے جھلا کر کہا اور باہر نکل
گئے۔

"بال کی کھال اتارنے کی تمھاری عادت نہ گئی۔"

"اور تمھاری تو جیسے ران پر ہاتھ مارنے کی عادت چلی گئی
ہے۔" فاروق جل کر بولا۔

"واہ۔ یہ ہوا ترکی بہ ترکی جواب۔"

"آخر آئے محاوروں پر۔ کہیں میں تمھاری ترکی تمام نہ کر
دوں۔" خان رحمان نے چہک کر کہا۔

"ہائیں ہائیں۔ انکل آپ بھی۔" فرزانہ نے بوکھلا کر ان کی
طرف دیکھا۔

"انکل آپ بھی کیا۔ جملوں کو کھا نہ جایا کرو۔" فاروق نے
اسے گھورا۔

"میرا مطلب تھا۔ انکل بھی محاورات پر اتر آئے۔"

"محاورات کا کیا ہے۔ ان پر تو کوئی بھی اتر سکتا ہے۔"

پروفیسر داؤد بول پڑے۔

"راز منزل جانے سے پہلے کیوں نہ ہم حالات کا ایک مختصر سا جائزہ لے لیں اور کوئی اندازہ لگانے کی کوشش کریں۔" محمود نے تجویز پیش کی۔

"ضرور ضرور، اس میں کوئی حرج نہیں۔" فرزانہ فوراً بولی۔

"تو پھر میں شروع کرتا ہوں۔ ہم یہاں آنے کے بعد دوسری صبح میونسپل پارک کی سیر کے لیے گئے۔ وہاں ابا جان کی نظر مونچھوں والے پر پڑی۔ جو بعد میں ڈاکٹر سطری ثابت ہوئے، ابا جان نے ہمیں ان کے تعاقب میں لگا دیا۔ ہم تعاقب کرتے ان کی کوٹھی تک پہنچے۔ ٹیکسی ڈرائیور کے ذریعے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ شہر میں کچھ لوگ پر اسرار طور پر غائب ہوئے اور تین چار چار دن کے بعد واپس آئے۔ اور واپس آ کر یہ بھی نہ بتا سکے کہ وہ کہاں رہے، ان پر کیا بیتی۔ کوٹھی کے دروازے پر ہی ہم نے ڈاکٹر سطری سے ملاقات کی، پھر واپس چلے آئے۔ ادھر ہوٹل میں ابا جان سے ایک شخص راحت کامل نے ملاقات کی اور بتایا کہ وہ راز لطیف کا بھیجا ہوا ہے۔ اس کا ساتھی دروازے کے باہر کھڑا اندر ہونے والی گفتگو سن رہا تھا، ہم نے اسے پکڑا۔ ان سے راز لطیف کے بارے میں پتا چلا۔ کاؤنٹر کلرک سے بھی راز لطیف کے بارے میں معلوم ہوا۔ راز لطیف اس

ساری وادی پر چھایا ہوا ہے۔ دیکھا جائے تو اسی کا حکم چلتا ہے۔ جو وہ چاہتا ہے، کرتا ہے اور حکم دیتا ہے۔ تمام محکمے اس کا حکم ماننے پر مجبور ہیں۔ اگر کسی جگہ اس کا حکم نہیں مانا جاتا تو وہ اس جگہ کو تہس نہس کر دیتا ہے۔ ہم اس کی عمارت راز منزل بھی گئے۔ راز لطیف سے بات چیت ہوئی۔ ادھر اتنے میں انکل اکرام آ گئے۔ ان کے ساتھ ہم ڈاکٹر سطری کے ہاں گئے اور انھوں نے قصہ سنا دیا کہ ڈاکٹر سطری دراصل شمو کانسی ہے، جس نے کسی زمانے میں پے در پے قتل کیے تھے اور اسے تا زندگی قید کی سزا دے دی گئی تھی، چنانچہ انکل اکرام کو جیل میں اس معاملے کا جائزہ لینے کے لیے بھیجا گیا۔ جیل میں انھوں نے شمو کانسی کو دیکھا اور پھر فائل میں اس کی عادات اور اطوار پڑھ کر دوبارہ اسے جا کر دیکھا۔ اب وہ کہتے ہیں کہ شمو کانسی جیل میں ہی ہے، چنانچہ اس طرح یہ معاملہ تو ہو جاتا ہے ختم اور رہ جاتا ہے صرف راز لطیف والا، لیکن مشکل یہ ہوئی کہ ڈاکٹر سطری نے ہماری کار میں آوازیں کیچ کرنے کا آلہ فٹ کر دیا۔ اسے کیا ضرورت تھی۔ لہٰذا ہمیں ڈاکٹر سطری کو بھی چیک کرنا ہے اور راز لطیف کو بھی۔ راز لطیف کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے کہ کون ہے، کہاں مل سکے گا، جب کہ ڈاکٹر سطری ہمارے سامنے موجود ہے۔ ہم راز منزل

کو تو چیک کریں گے ہی۔ ڈاکٹر سلمری سے بھی ایک بار پھر دو دو باتیں کریں گے۔ کیا خیال ہے؟" یہاں تک کہہ کر محمود خاموش ہو گیا۔

"جو تمہارا ہے" خان رحمان مسکرائے۔

رات کے ٹھیک نو بجے وہ راؤ منزل میں داخل ہو رہے تھے۔ چاروں طرف ہُو کا عالم طاری تھا، دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ اس وقت بھی عمارت کے دروازے بالکل خالی تھی۔ اندر قدم رکھتے ہی محمود نے دبی آواز میں کہا:

"مسٹر راؤ لطیف۔ کیا آپ اس وقت بھی بات چیت کریں گے؟"

یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔ ایک منٹ بعد راؤ لطیف کی آواز سنائی دی:

"کون۔ مجھے کس نے پکارا؟"

"یہ ہم ہیں مسٹر راؤ لطیف۔ انسپکٹر جمشید کے ساتھی۔"

"اوہو۔ تم لوگ پھر آ گئے۔"

"جی ہاں۔ مرتے کیا نہ کرتے، آنا ہی پڑا۔" فاروق گنگنایا۔

"کیا مطلب۔ ایسی کیا مجبوری پیش آ گئی؟"

"دیکھیے نا جناب۔ آپ نے ہمیں اُلجھن میں ڈال دیا ہے۔ آپ ہم سے رابطہ قائم کرتے، نہ ہمیں آپ کے بارے میں معلوم ہوتا، ہم اپنا کام کرتے رہتے، آپ اپنا۔ اور یہ تو

آپ جانتے ہی ہوں گے کہ ہم یہاں صرف سیر کرنے آئے تھے۔ جانتے ہیں نا۔ اگر نہیں جانتے تو ہم پر یقین کرنا ہوگا، کیوں کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ کیا خیال ہے، چارہ ہے یا نہیں۔ اور شاید میں پٹڑی سے اُتر گیا، تو جناب۔ اب چونکہ آپ نے خود ہمیں اس معاملے میں اُلجھایا ہے، اس لیے ہم بھی مجبور ہیں۔ کس بات پر مجبور ہیں۔ اس معاملے میں دلچسپی لینے پر۔ کسی بھی معاملے میں دلچسپی لینا ہماری بہت بڑی کمزوری بھی ہے، چنانچہ ہم ایک بار پھر یہاں موجود ہیں، اگر آپ اجازت دیں تو ہم اس عمارت کا بغور جائزہ لینا چاہتے ہیں، لیکن اگر آپ کو یہ منظور نہ ہو تو اس صورت میں ہم اُلٹے قدموں لوٹ جائیں گے۔ آپ اُلٹے قدموں کا مطلب تو جانتے ہوں گے" یہاں تک کہہ کر فاروق خاموش ہو گیا۔

"توبہ ہے تم سے۔ تم مختصر بات نہیں کر سکتے۔"

"میں نے تو اپنی طرف سے اس گفتگو کو مختصر کرنے کی پوری پوری کوشش کی ہے۔" فاروق گھبرا کر بولا۔

"اگر یہ مختصر گفتگو ہے تو پھر تمہاری تفصیلی گفتگو سے تو اللہ محفوظ ہی رکھے۔" فرزانہ نے گھبرا کر کہا۔

"اگر تم آپس میں باتیں کرنا چاہتے ہو تو پھر میری یہاں کیا ضرورت۔ میں چلا۔" راؤ لطیف کی جھلاتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"ارے ارے — آپ تو ناراض ہو گئے — اگر آپ ناراض ہو گئے تو ہم تو گئے کام سے — لہٰذا مہربانی فرما کر ہماری درخواست کا جواب دیں اور پھر جو چاہے کریں۔"

"اچھا — ٹھیک ہے، تم اس عمارت کا اچھی طرح جائزہ لے لو۔ میں جانتا ہوں، تم کیا تلاش کرنا چاہتے ہو — کچھ نہیں پاؤ گے، کیوں کہ تم ابھی بچے ہو — انسپکٹر جمشید بھی ابھی کل کے بچے ہیں — وہ تو اس وقت تمہارے ساتھ ہیں ہی نہیں۔"

"معاف کیجیے گا جناب، اگر وہ کل کے بچے ہیں تو پھر ہم کب کے بچے ہوئے؟" فاروق نے حیران ہو کر پوچھا۔

"فضول باتیں نہ کرو — عمارت میں موجود ہو — جو جی میں آئے، کرو۔"

"شکریہ — آپ جا سکتے ہیں، اگر ہمیں ضرورت پڑی تو ہم پھر آپ کو آواز دے لیں گے۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"ضرور کیوں نہیں — میں ضرور جواب دوں گا۔"

آواز آنا بند ہو گئی — انھوں نے عمارت کی دیواروں کو ٹھونک بجا کر دیکھنا شروع کیا، ایسے میں فرزانہ نے قدرے بلند آواز میں کہا:

"میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے۔"

"ترکیب اور تمہارے ذہن میں نہ آئے، یہ کیسے ہو سکتا

ہے۔" فاروق بولا۔

"اور ترکیب یہ ہے کہ محمود اور فاروق اسی وقت ڈاکٹر سطری کے پاس چلے جائیں — گھڑی پر نظر رکھیں — ہم ٹھیک آدھ گھنٹہ بعد راؤ لطیف کو آواز دیں گے — صاف ظاہر ہے، اگر ڈاکٹر سطری ہی راؤ لطیف ہے تو پھر اسے جواب دینے کے لیے ان دونوں کے پاس سے اٹھنا پڑے گا، اگر وہ نہ اٹھا اور ادھر ہم سے راؤ لطیف نے بات کی تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ راؤ لطیف اور ڈاکٹر سطری دو آدمی ہیں، ایک نہیں۔"

"ویری گڈ — ترکیب بہت زوردار ہے۔" خان رحمان اچھل پڑے۔

"میں بھی یہی کہنے والا تھا۔" پروفیسر داؤد مسکرائے۔

"آپ ہی کیا — ہم سب یہی کہنے والے تھے — آؤ بھئی محمود چلیں، کیوں کہ اس زوردار ترکیب پر عمل کرتے ہی بن پڑے گی۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ہوں — ٹھیک ہے، لیکن ہم کار لے کر جائیں گے۔"

"ضرور — کیوں نہیں۔"

"اچھا تو پھر گھڑیاں دیکھ لیں، آپس میں ملا لیں — ٹھیک تیس منٹ بعد آپ لوگ راؤ لطیف سے بات کریں گے۔"

"اور یہ گفتگو بھی شاید راؤ لطیف صاحب سن رہے ہیں۔"

فرزانہ مسکرائی۔

"ہاں — مطلب یہ کہ اب دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو کر رہے گا۔"

دونوں کار میں بیٹھ کر وہاں سے رخصت ہوئے۔ ادھر انھوں نے اپنا کام جاری رکھا۔ آخر پروفیسر داؤد بولے:

"ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے یہ عمارت بناتے وقت ہی وہ آلات دیواروں میں فٹ کیے گئے ہیں جن کے ذریعے ہم راز لطیف کی آواز سنتے ہیں اور وہ ہماری سنتا ہے۔ لہذا جب تک دیواروں کو اکھاڑا نہ جائے گا۔ ہم کچھ بھی پتا نہیں چلا سکیں گے اور صاف ظاہر ہے۔ راز لطیف دیواریں اکھاڑنے کی اجازت ہرگز نہیں دے گا۔"

"لیکن پولیس نے ایسا کیوں نہیں کیا۔ وہ تو سب کچھ کر سکتی تھی۔"

"پولیس۔ پولیس تو پہلے ہی راز لطیف سے خوف زدہ رہتی ہے۔ اس نے دھمکی دے دی ہوگی کہ اگر عمارت کی دیواروں کو ہاتھ لگایا گیا تو سرکاری عمارات اڑا دی جائیں گی۔ گویا راز لطیف اندھیرے کا تیر ہے۔"

"پولیس کو وہ اس قسم کی دھمکیاں دے چکا ہے۔"

"اگر ڈاکٹر سلمری راز لطیف ثابت ہو گیا تو ہمارا کام بہت

آسان ہو جائے گا، پھر اسے گرفتار کرنا کچھ بھی مشکل ثابت نہیں ہوگا، لیکن اگر ایسا نہ ہوا تو۔" فرزانہ کہتے کہتے رک گئی۔

"تو کیا؟" خان رحمان نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"تو۔ یہ کیس ایک مشکل کیس ثابت ہوگا، پھر ہمیں راز لطیف تک پہنچنے کے لیے بہت پاپڑ بیلنے پڑیں گے۔"

"تب تو میں دعا کرتا ہوں کہ ڈاکٹر سلمری ہی راز لطیف ہو۔ تاکہ ہم پاپڑ بیلنے سے تو بچ جائیں۔" پروفیسر داؤد نے پریشان ہو کر کہا اور وہ مسکرانے لگے۔

پھر ٹھیک آدھ گھنٹے بعد فرزانہ نے بلند آواز میں کہا:

"مسٹر راز لطیف۔ میں آپ سے مخاطب ہوں۔ مہربانی فرما کر میری بات کا جواب دیجیے۔"

یہ کہ کر وہ انتظار کرنے لگے۔ ٹھیک ایک منٹ بعد راز لطیف کی آواز سنائی دی:

"ہاں بھئی۔ اب کیا ہے۔ میں اس طرف متوجہ ہوں۔"

"کیا آپ اس دوران ہماری گفتگو سنتے رہے ہیں۔" فرزانہ نے گفتگو شروع کی۔

"نہیں۔ میں ہر وقت یہاں موجود نہیں ہوتا۔" راز لطیف کی آواز ابھری۔

"تب پھر صرف یہی جملہ آپ تک کیوں پہنچتا ہے ۔ باقی باتیں کیوں نہیں پہنچتی؟"

"یہاں ہر وقت ایک آدمی کی ڈیوٹی رہتی ہے ۔ ڈیوٹی آٹھ گھنٹے بعد بدلتی رہتی ہے ۔ گویا تین آدمی ہیں جو باری باری یہاں موجود رہتے ہیں ۔ جوں ہی کوئی مجھے بلاتا ہے وہ مجھے ایک بٹن دبا کر اطلاع دے دیتے ہیں ۔ اگر میں موجود نہیں ہوتا تو وہ بتا دیتا ہے۔"

"شکریہ ۔ یہ تو آپ نے بہت کام کی بات بتا دی ۔ گویا کم از کم تین آدمی ایسے ضرور ہیں ۔ جو آپ کی شکل صورت سے واقف ہیں ۔ اور آخر انسان ہیں ، انھیں ادھر اُدھر بھی آنا جانا پڑتا ہے۔"

"ہاں ، لیکن تم ان تین آدمیوں کا سراغ تو اس وقت لگا سکو گے نا جب میرے ٹھکانے کا علم ہوگا ۔ رہی بات ڈاکٹر سلطری کی ۔ تو وہ اس وقت تمھارے دونوں ساتھیوں کے پاس اپنے گھر کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہیں۔" راڈ ولیٹ پُر سکون لہجے میں بولا ۔

"ہوں ۔ ابھی تو آپ نے کہا تھا ، آپ ہماری گفتگو نہیں سُن رہے ۔"

"یہ ٹھیک ہے ۔ یہ باتیں تو ڈیوٹی پر موجود آدمی نے بھی

…ں اور ٹیپ کی ہیں ۔ اس عمارت میں ہونے والی گفتگو کا ایک ایک لفظ ٹیپ ضرور کیا جاتا ہے۔"

"شکریہ ۔ گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ ڈاکٹر سلطری نہیں ہیں ۔"

"نہیں ۔ ہرگز نہیں ۔"

"کیا آپ بتا سکتے ہیں ۔ یہ ڈاکٹر سلطری کیا چیز ہیں؟" فرزانہ نے پوچھا ۔

"ایک بے وقوف آدمی ۔ اور کچھ ۔"

"بس جناب ۔ آپ کا شکریہ ۔"

آواز آنا ایک بار پھر بند ہو گئی ۔

"یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔" فرزانہ بولی ۔ اس کے انداز میں مایوسی تھی ۔

"ہاں واقعی ۔ یہ کچھ بھی نہیں ہوا ، لیکن تم فکر نہ کرو ۔ کچھ نہ کچھ تو ضرور ہو گا۔" پروفیسر داؤد بولے ۔

"انکل ۔ آپ بالکل فاروق کے انداز میں باتیں کر رہے ہیں۔" فرزانہ نے بُرا سا منہ بنایا ۔

"شاید تم ٹھیک کہتی ہو ۔"

عین اسی وقت باہر ایک آواز گونجی ۔ ایک گاڑی رُکنے کی آواز ، لیکن یہ آواز کم از کم ان کی کار کی آواز نہیں تھی ،

فوراً گاڑی کے دروازے کھلنے اور زور دار انداز میں بند ہونے کی آواز سنائی دی —

وہ چونک اُٹھے — ایک دوسرے کی طرف سوالیہ نظریں اُٹھ گئیں —

واپسی

اکرام ہوائی اڈے پر ان کا انتظار کر رہا تھا — فوراً ان کی طرف لپکا —

"سیدھے جیل روڈ کی طرف چلو، لیکن نہیں اکرام — مجھے گھر سے چند چیزیں لینا ہوں گی — ٹھیک ہے — پہلے گھر چلو۔"

"اوکے سر — وہاں حالات کیا ہیں؟"

"جوں کے توں — محمود، فاروق وغیرہ اس وقت راز منزل میں ہوں گے — اور اس کا جائزہ لے رہے ہوں گے۔"

"ہوں — کیا آپ یہ سوچ رہے ہیں کہ ڈاکٹر سلمری دراصل شموکانسی ہے؟"

"ہاں! بلکہ میں تو یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ کہیں ڈاکٹر سلمری ہی تو راز بلیٹ نہیں — اور محمود، فاروق اور فرزانہ بھی یہ سوچے بغیر نہیں رہیں گے — شاید وہ یہ جاننے کے لیے ایک تجربہ بھی کریں۔" انھوں نے مسکرا کر کہا۔

"کیسا تجربہ؟"

"راؤ منزل میں بھی موجود رہیں گے اور ادھر ڈاکٹر سلمی سے ملاقات کریں گے، پھر اس دوران وہ راؤ معیت کو آواز دیں گے۔"

"اوہ - کیا آپ یہ تجربہ انھیں سمجھا آئے ہیں؟"

"نہیں - میرا اندازہ ہے کہ وہ یہ تجربہ کریں گے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اوہ!" اکرام نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔

جلد ہی وہ گھر پہنچ گئے۔ بیگم جمشید نے فوراً دروازہ کھولا اور پھر چونک اٹھیں:

"یہ کیا - آپ اکیلے ہی واپس آ گئے ہیں۔"

"ابھی ہم واپس نہیں آئے بیگم - میں ایک ضروری کام کے تحت آیا ہوں۔"

"مطلب یہ کہ وہاں کوئی چکر چل گیا ہے۔" بیگم جمشید ہنس دیں۔

"ہاں! تمھارا خیال ٹھیک ہے۔"

انھوں نے اپنے کمرے سے چند چھوٹی بوتلیں لیں اور جیل کی طرف روانہ ہوئے۔ ان بوتلوں میں مختلف رنگ کے محلول تھے۔

"کیا آپ میک اپ کے امکانات کا جائزہ لیں گے؟"

"ہاں - اسی لیے تو آیا ہوں۔"

آدھ گھنٹے بعد وہ ایس پی جیل کے دفتر میں موجود تھے اور شمو کانسی ان کے سامنے کرسی پر بیٹھا تھا۔

"کیا تم شمو کانسی ہی ہو؟" وہ بولے۔

"جی - کیا مطلب؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

"میں نے پوچھا ہے - کیا تم شمو کانسی ہی ہو یا کوئی اور شخص ہو اور تمھارے چہرے پر شمو کانسی کا میک اپ کر دیا گیا ہے۔"

"پتا نہیں - آپ کیا باتیں کر رہے ہیں؟"

"اس شیشی کو سونگھو - اور بتاؤ کس چیز کی خوشبو آ رہی ہے۔" انھوں نے ایک ننھی سی شیشی اپنے بیگ میں سے نکال کر اس کے سامنے کر دی اور کارک ہٹا لیا۔ جوں ہی اس نے ناک شیشی کے قریب کیا - فوراً پیچھے ہٹ گیا اور ادھر انسپکٹر جمشید نے کارک لگا دیا۔

اچانک اس کا سر میز پر آ ٹکا - وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔

"اسے ایک میز پر لٹایا جائے۔" انھوں نے ساتھیوں سے کہا۔

ایک میز کمرے میں لائی گئی - شمو کانسی کو اس پر لٹایا

گیا اور اس کے بعد انسپکٹر جمشید نے اپنا کام شروع کیا۔ انھوں نے مختلف محلول بوتلوں سے نکال نکال کر اس کے چہرے پر روئی سے لگانا شروع کیے۔ آخر ایک محلول لگاتے ہی شمو کانسی کے منہ پر ایک سیاہ دھبّہ سا نظر آیا۔

"وہ مارا۔ اکرام۔ میرا خیال درست نکلا۔"

"اوہ۔" اکرام دھک سے رہ گیا۔

اب انھوں نے روئی پر اور محلول لیا اور اس کے سارے چہرے پر ملنے لگے۔ چہرہ سیاہ ہوتا چلا گیا۔ اس پر سے باریک کھال جیسی کوئی چیز اُترتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ شمو کانسی کی جگہ ایک بالکل نیا چہرہ نظر آنے لگا۔ ایسے میں انھوں نے ایس پی جیل کی لرزتی آواز سنی:

"اُف اللہ۔ یہ۔ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔"

"یہ شمو کانسی نہیں ہے۔ کوئی اور شخص ہے۔ جسے شمو کانسی کی جگہ یہاں رکھا گیا ہے اور شمو کانسی وادیٔ بیپ میں مزہ کر رہا ہے۔"

"لیکن۔ لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

"اس سوال کا جواب جیل حکام دینے کے لیے تیار ہو جائیں۔"

"یہ۔ یہ میرے زمانے سے بہت پہلے جیل آ چکا تھا۔" وہ بولے۔

"ویری گڈ۔ آپ سے پہلے جیل سپرنٹنڈنٹ کون تھے؟"

"ایس پی شاکر۔ وہ ریٹائر ہو چکے ہیں۔"

"فوری طور پر انھیں یہاں بلوایا جائے۔" وہ بولے۔ کانسٹیبلوں کو روانہ کیا گیا۔ آدھ گھنٹے کے بعد انھوں نے آ کر رپورٹ دی:

"ایس پی شاکر اب دارالحکومت میں نہیں رہتے۔ ایک مدت پہلے وہ یہاں سے چلے گئے تھے۔ جاتے وقت وہ اپنا مکان بیچ گئے تھے۔"

"اوہ۔ میں سمجھ گیا۔ وہ اس لیے یہاں سے رفوچکر ہو گئے کہ کہیں اس جرم میں انھیں سزا نہ کاٹنا پڑے، لیکن میں ان کا سراغ ضرور لگاؤں گا۔ وہ میرے ہاتھ سے بچ نہیں سکیں گے۔ لیکن میں یہ کام بعد میں کروں گا، کیوں کہ اس سے پہلے شمو کانسی کی گرفتاری زیادہ ضروری ہے۔ اور اسے جیل کی اس کوٹھری میں پہنچانا ضروری ہے۔ جس میں اس شخص نے نہ جانے کتنے سال گزارے۔ دوسرے یہ کہ ہمیں اس شخص کے بارے میں بھی معلوم کرنا ہو گا۔ آخر یہ کون ہے اور اس نے اس کی جگہ جیل میں رہنا کیوں منظور کر لیا۔ خیر۔ یہ بات تو اس کے ہوش میں آنے پر ہی معلوم ہو جائے گی۔ پانی کا ایک گلاس منگوائیے۔"

پانی کا گلاس انھوں نے اس کے چہرے پر اُلٹ دیا۔ فوراً
ہی اس نے آنکھیں کھول دیں۔
"ہاں بھئی۔ اب بتاؤ۔ تم کون ہو؟"
"م۔ میں۔ میں شمو کانسی ہوں۔ اور کون ہوتا۔"
"اسے آئینہ دکھائیں۔"
اس کے سامنے آئینہ کیا گیا۔ جوں ہی اس نے آئینے میں
دیکھا، اچھل پڑا۔ چہرے پر خوف دوڑ گیا۔
"اب بتاؤ۔ تم کون ہو۔ اور شمو کانسی کی جگہ جیل کی
کوٹھری میں کیوں پڑے ہو؟"
"وہ۔ وہ۔ ایس پی۔ شاکر صاحب۔ وہ مجھے۔ مار ڈالیں
گے۔"
"مار ڈالیں گے، لیکن وہ تو یہاں ہیں ہی نہیں۔ کب کے
یہاں سے جا چکے ہیں۔"
"وہ کہیں بھی ہوں۔ میری زندگی۔ ان کے قبضے میں ہے،
یعنی میرا بچہ۔ میرے بیٹے کو انھوں نے ملازم کے طور پر
اپنے گھر میں رکھا ہوا ہے۔ انھوں نے دھمکی دی تھی۔ کہ اگر
میں نے ان کا یہ راز فاش کیا تو وہ میرے بیٹے کو مار ڈالیں
گے۔ انھوں نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ وہ ریٹائر ہونے کے بعد
کہیں اور چلے جائیں گے۔ اور ان کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم

نہیں ہوگی، لیکن یہ خبر بہرحال اخبارات میں آئے گی۔ وہ خبر
پڑھتے ہی میرے بیٹے کو ہلاک کر دیں گے۔ اب بھی میں نے
یہ بات نہیں بتائی۔ نہ جانے آپ نے میرا چہرہ کس طرح صاف
کر دیا۔ اب۔ اب کیا ہوگا؟" اس کی آواز کانپ گئی۔
"کچھ نہیں ہوگا۔ تمھارا بیٹا تمھارے پاس ہوگا اور تم
دونوں آزاد فضا میں ہو گے۔"
"ک۔ کیا سچ؟"
"ہاں۔ آؤ اکرام چلیں۔" یہ کہہ کر وہ ایس پی کی طرف مڑے:
"مہربانی فرما کر اب اسے ہسپتال میں رکھیے۔ اور یہ راز
ابھی باہر نہ جائے۔ تاکہ وہ اس کے بیٹے کو کچھ نہ کر سکے۔"
"ٹھیک ہے۔"
"اور ہاں، ایس پی شاکر کا پتا بھی مجھے لکھ دیں۔ اگرچہ وہ
اب وہاں نہیں رہتے، لیکن سراغ وہیں سے لگ سکتا ہے۔"
پتا لے کر وہ وہاں پہنچے۔ کوٹھی کے مالک نے انھیں ڈرائنگ
روم میں بٹھایا:
"آپ نے یہ کوٹھی ایس پی شاکر صاحب سے خریدی تھی؟"
"جی ہاں۔"
"کوٹھی فروخت کر کے وہ خود کہاں گئے تھے؟"
"انھوں نے یہ نہیں بتایا تھا۔ ان کا ارادہ کسی دوسرے شہر

جانے کا تھا۔"

"کیا وہ کوٹھی سامان سمیت فروخت کر گئے تھے؟"

"جی۔ نہیں تو۔ اپنا سامان تو وہ ساتھ لے کر گئے تھے۔ ان کے سامان سے تو تین ٹرک بھر گئے تھے۔"

"آپ کو کچھ یاد ہے۔ کون سی کمپنی کے ٹرک تھے؟"

"جی۔ ٹرک۔ کمپنی۔ جی نہیں۔ یہ تو مجھے یاد نہیں۔ ہاں ٹرکوں کا رنگ ضرور یاد ہے۔ سُرخ اور نیلے رنگ کے تھے۔"

"شکریہ۔" انھوں نے مسکرا کر کہا۔ اور اکرام سے بولے:

"آؤ بھئی اکرام۔ ہماری تفتیش اب بہت تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے۔"

وہ ٹرکوں کی ایک ایجنسی پر پہنچے۔ اس ایجنسی کے ٹرک سفید اور سبز رنگ کے تھے۔

"کیوں جناب۔ سُرخ اور نیلے رنگ کے ٹرک کس کمپنی کے ہیں؟"

"آزاد گڈز ٹرانسپورٹ کے۔ کیا ہم کوئی خدمت کر سکتے ہیں؟"

"شکریہ۔"

وہ آزاد گڈز ٹرانسپورٹ پہنچے۔ اس کے منیجر سے ملے۔ پہلے جیل فون کیا:

"ایس پی شاکر کس تاریخ کو ریٹائر ہوئے تھے؟"

"میں بورڈ پر دیکھ کر بتاتا ہوں۔ جی ہاں۔ آج سے دس سال پہلے تین جون کو۔"

"شکریہ۔" یہ کہہ کر انھوں نے ریسیور رکھ دیا اور منیجر کی طرف مڑے:

"یہ تاریخ نوٹ کر لیں۔ اس تاریخ کے چند دن بعد ایس پی شاکر یہاں سے سامان کے تین ٹرک کسی شہر لے گئے تھے۔ ہمیں بس اس شہر کا نام چاہیے۔"

"جی بہتر۔ میں ابھی کلرک کو ہدایات دیتا ہوں۔ اگر صحیح تاریخ معلوم ہو جاتی تو کام جلد ہو سکتا تھا۔" اس نے کہا۔

"خیر آپ کوشش کریں۔ ہم صحیح تاریخ لانے کی کوشش کرتے ہیں۔" انھوں نے کہا اور اکرام سے بولے:

"ہمیں ایس پی شاکر کی کوٹھی کا فون نمبر تو معلوم نہیں۔ اس لیے تمھیں ہی جانا پڑے گا۔"

"کوئی بات نہیں۔"

اکرام اٹھ کر چلا گیا۔ واپس آ کر اس نے بتایا:

"دس جون کو چلے گئے تھے۔"

"لیجیے جناب۔ اب تو تاریخ معلوم ہو گئی۔"

"جی ہاں۔ اب جلد کام بن جائے گا۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"بہت بہت شکریہ۔"

وہ انتظار کرتے رہے۔ آخر منیجر ایک آدمی کو لے کر اندر آیا۔

"کام بن گیا جناب۔ اتفاق سے ان میں سے ایک ڈرائیور اب تک ہمارے پاس کام کر رہا ہے۔ یہی ہے وہ۔ اسے ابھی تک یاد ہے۔ تینوں ٹرک سامان لے کر کہاں گئے تھے۔ اب تک کیوں یاد ہے۔ یہ آپ اس سے ہی معلوم کر لیں۔"

"ہاں۔ ضرور بتائیں۔"

"وہ بہت کنجوس آدمی ثابت ہوئے تھے جناب۔ ہم نے سامان جب وہاں پہنچایا تو اتروانے میں ان کی بہت مدد کی۔ بلکہ زیادہ تر سامان ہم نے ہی اتارا، لیکن انھوں نے ہمیں کوئی انعام نہیں دیا۔ ہم جلتے بھنتے واپس ہوئے تھے۔"

"اور تینوں ٹرک کس شہر میں گئے تھے۔ کیا آپ ہمیں اس گھر تک لے جا سکتے ہیں؟"

"جی۔ جی ہاں۔ بالکل۔ تینوں ٹرک وادیٔ سیپ میں لے جائے گئے تھے۔ سامان ایک خوش نما کوٹھی میں اتارا گیا تھا۔"

"کوٹھی کا رنگ کیسا تھا؟" انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے۔

"سُرخ رنگ کی تھی۔"

"سُرخ رنگ کی۔" انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے، کیوں کہ

ڈاکٹر سلمیٰ کی کوٹھی کا رنگ نیلا تھا۔

"جی ہاں۔ وہ ایک سُرخ رنگ کی بہت ہی خوبصورت کوٹھی تھی۔"

"تب پھر آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہو گا۔ ہم آپ کو آپ کے وقت کا معاوضہ ادا کریں گے۔"

"ضرور جناب۔ کیوں نہیں۔ قانون کی مدد کرنا تو ہر شہری کا فرض ہے۔"

اور وہ وادیٔ سیپ کی طرف روانہ ہوئے۔ ایرپورٹ سے اُتر کر وہ سیدھے سُرخ کوٹھی کی طرف چل پڑے۔ ٹرک ڈرائیور انہیں راستہ بتا رہا تھا۔

خار کی پروا

اور پھر عمارت میں تین لمبے تڑنگے آدمی داخل ہوئے، انھوں نے ایک نظر ان پر ڈالی، پھر ان میں سے ایک نے کہا:

"آپ لوگ بات کر چکے ہیں؟"

"جی ہاں۔" خان رحمان نے کہا۔

"تب پھر باہر تشریف لے جائیں، ہمیں بھی راؤ لطیف سے چند باتیں کرنا ہیں۔"

"ضرور — کیوں نہیں۔" خان رحمان نے کہا اور وہ باہر نکل گئے — عمارت کے سامنے ایک سرخ رنگ کی کار کھڑی تھی۔

وہ دروازے کے سامنے سے ہٹ کر دیوار سے لگ کر کھڑے ہو گئے — تاکہ اندر ہونے والی بات چیت سنائی دے سکے — اسی وقت قدموں کی آواز ابھری — ان تین میں سے ایک دروازے پر نمودار ہوا اور ان کی طرف دیکھ کر بولا:

"آپ گئے نہیں؟"

"ہماری مرضی — ہم جائیں یا نہ جائیں — آپ کون ہوتے ہیں ہمیں یہاں سے بھیجنے والے — کیا ہم آپ کی زر خرید زمین پر کھڑے ہیں؟"

"نہیں! یہ زمین ہماری زر خرید نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود آپ کو یہاں سے جانا ہوگا۔"

"کیا خیال ہے انکل — ہمیں جانا ہوگا یا نہیں؟" فرزانہ خان رحمان کی طرف مڑی۔

"ہم جائیں گے ضرور، لیکن اپنی مرضی سے۔" خان رحمان مسکرائے —

"اوہو! یہ لوگ شاید لاتوں کے بھوت ہیں۔" دوسرا بھی باہر نکلتے ہوئے بولا۔

"آپ کا یہ اندازہ بھی ٹھیک ہے، ہمیں ہاتھ پیر چلانا خوب آتا ہے۔" فرزانہ خوش ہو کر بولی۔

"اب تم فاروق کے انداز میں باتیں کر رہی ہو۔" پروفیسر داؤد مسکرائے۔

"جی ہاں — نہ جانے کیا بات ہے — جب بھی فاروق اِدھر اُدھر ہوتا ہے — ہم اس کے انداز میں باتیں کرنے لگتے ہیں۔"

"[illegible] — کہیں — کہیں وہ جاتے ہوئے اپنی روح تو ہمارے

درمیان نہیں چھوڑ جاتا۔" خان رحمان بوکھلا کر بولے۔

"آپ لوگ عجیب ہیں — بات ہم سے ہو رہی تھی اور اب اس طرح آپس میں باتیں کرنے لگ گئے ہیں جیسے ہم یہاں موجود ہی نہیں ہیں۔" دوسرا پاؤں پٹخ کر بولا۔

"ہاں واقعی — یہ تو ہے، خیر چلیے پہلے آپ سے بات کر لیتے ہیں۔" فرزانہ مسکرائی۔

"بات وات کی کیا ضرورت — بس آپ راز منزل سے دُور چلے جائیں۔" وہ غرایا۔

"کیا راز منزل آپ کی اپنی ہے؟"

"نہیں، راز لطیف کی ہے، پھر اس سے کیا۔" اس نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں کہا۔

"اور یہ جگہ بھی آپ کی نہیں ہے، لہذا آپ ہمیں یہاں سے نہیں ہٹا سکتے، آپ کو جو کچھ کہنا ہے، ہمارے سامنے کہہ لیں — ہم وعدہ کرتے ہیں — آپ کو کہنے سے نہیں روکیں گے۔" فرزانہ جلدی جلدی بولی۔

"کہنے سے نہیں روکیں گے — یہ کیا بات ہوئی — تم ہمیں کہنے سے روک بھی کیسے سکتے ہو۔" پہلا بھنا اُٹھا۔

"کاٹ کھانے کو نہ دوڑیں — ورنہ۔" فرزانہ نے گویا دھمکی دی —

"یہ لوگ یوں نہیں مانیں گے۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی تیسرا ان سے آگے نکل کر سامنے آ گیا اور جیب میں سے پستول نکالتے ہوئے بولا:

"اب یہاں سے چلتے پھرتے نظر آؤ، ورنہ چھلنی کر دیے جاؤ گے۔"

"یہ بھی ایک ہی رہی — بھئی دیکھو — چھلنی کرنے کی دھمکی دینا نظر آتا ہے — ہمارے ملک میں نہ جانے چھلنی کرنے کا رواج کیوں بڑھتا جا رہا ہے۔" فرزانہ گنگنانے کے انداز میں بولی۔

"میں شاید پاگل ہو جاؤں گا۔" پستول والا دھاڑا۔

"تو ہو جائیے — ہم نے آپ کو کب روکا ہے۔" خان رحمان ہنسے —

اس نے پستول کی نالی کا رُخ خان رحمان کی طرف کر دیا۔ آنکھوں میں خون اُترتا نظر آیا، اُنگلی ٹریگر پر دباؤ ڈالتی نظر آئی:

"تو پھر — دوسرے جہان کی سیر پر روانہ ہو جاؤ۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی ایک دھماکا ہوا اور اس کے ہاتھ سے پستول نکل کر دُور جا گرا — جسے فرزانہ نے چھلانگ لگا کر اُٹھا لیا — تینوں غنڈے ہکا بکا رہ گئے — خان رحمان کی جیب میں اب ایک سوراخ نظر آ رہا تھا:

"انکل — آپ نے اپنا کوٹ خراب کر لیا۔"

"کوئی بات نہیں، ظہور بھی تو جلتا رہتا ہے۔" خان رحمان بولے۔

"اب تم تینوں ہاتھ اوپر اُٹھا دو — ہم پر گولی چلانے کی کوشش کے تحت آپ کو پولیس کے حوالے کیا جائے گا، لیکن اس سے پہلے تم اتنا ضرور بتا دو کہ راؤ لطیف سے ایسی کیا بات کہنے آئے تھے جو ہمارے سامنے نہیں کر سکتے۔"

"تمہیں اس سے کیا۔"

"گویا تم پولیس تک جانا ہی چاہتے ہو۔"

"نہیں — ہم تمہارے ملازم نہیں ہیں — تو سنتے رہو گفتگو — آؤ بھئی اندر —" ایک نے کہا اور عمارت کی طرف مڑ گیا، دوسرے ہی لمحے تینوں اندر گئے اور پھر ان میں سے ایک نے بلند آواز میں کہا:

"مسٹر راؤ لطیف — ہمیں آپ سے کچھ کہنا ہے۔"

ایک منٹ تک انتظار کیا گیا، پھر راؤ لطیف کی آواز سنائی دی:

"ہاں کہو — کیا بات ہے — پہلے اپنا تعارف کراؤ۔"

"میں تو دار بیگ ہوں، میرے ساتھ میرے دو ساتھی الور شاہ اور بھورے خان ہیں — کسی نے بلدیہ پُل کو بم مار کر

اڑا دیا ہے — عوام کو بہت تکلیف ہو رہی ہے — مہربانی فرما کر ڈپٹی کمشنر صاحب سے فوراً کہیے کہ پُل کی تعمیر شروع کرا دیں۔"

"اچھی بات ہے — کیا یہاں کچھ اور لوگ موجود ہیں؟"

"ہاں! کچھ سرپھرے لوگ موجود ہیں۔"

"ٹھیک ہے — تم لوگ جاؤ — پُل کی تعمیر کا انتظام ہو جائے گا۔"

"بہت بہت شکریہ۔"

وہ تینوں باہر نکلے — فرزانہ نے حیران ہو کر کہا:

"اگر صرف اتنی سی بات کرنا تھی تو ہمارے ساتھ جھگڑا مول لینے کی کیا ضرورت تھی — یہ کون سی راز کی بات ہے۔"

"شاید ہمارا دماغ چل گیا تھا۔" ان میں سے ایک نے جھلا کر کہا —

"یہ اپنا پستول لیتے جائیں، کہیں ہمیں بددعائیں نہ دیتے رہیں۔" فرزانہ نے کہا اور پستول ان کی طرف اُچھال دیا — انھوں نے پستول کیچ کر لیا اور کھا جانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے کار میں بیٹھ گئے — جلد ہی وہ ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

"کچھ سمجھ میں آیا انکل؟" فرزانہ بولی۔

"کیا مطلب — تمہارا اشارا کس طرف ہے؟"

"آخر یہ لوگ ہماری عدم موجودگی میں کیوں بات کرنا چاہتے

تھے۔ جب کہ کوئی راز والی بات نہیں تھی۔"

"ہوں۔ میرا خیال ہے۔ وہ بلاوجہ ضد پر اڑ گئے تھے۔" خان رحمان بولے۔

"نہیں انکل۔ میں سمجھتی ہوں۔ بات کچھ اور ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

اسی وقت خان رحمان کی کار آتی نظر آئی۔

"لیجیے۔ وہ آ گئے۔" فرزانہ چہکی۔

کار نزدیک آ کر رک گئی۔ محمود اور فاروق نیچے اتر آئے۔

"کیوں بھئی۔ کیا رہا؟"

"ہمارا تجربہ ناکام ہو گیا۔ ڈاکٹر سلطری راؤ لطیف ہرگز نہیں ہیں۔ وہ تمام وقت ہم سے بات چیت کرتے رہے۔ کیا ادھر راؤ لطیف نے بات کی تھی؟"

"ہاں! بالکل کی تھی۔ بلکہ ہمارے بعد تین اور آدمی بھی بات چیت کرنے آئے تھے۔ ان سے ہماری بحث بھی ہو گئی تھی۔ راؤ لطیف نے تو ان سے بھی بات کی تھی۔" یہ کہہ کر فرزانہ نے جو کچھ پیش آیا تھا، تفصیل سے سنا دیا۔

"یہ ایک اور الجھن ہو گئی۔" محمود بڑبڑایا۔

"میرا ایک مشورہ ہے۔ ہوٹل جانے کی بجائے۔ کیوں نہ

فرزانہ کہتے کہتے رک گئی۔

"کیوں۔ بریک کیوں لگ گئی؟"

"آؤ چلیں۔ یہاں بات کرنا ٹھیک نہیں۔ مسٹر راؤ لطیف تک پہنچ جائے گی۔"

وہ کار میں بیٹھے اور وہاں سے روانہ ہوئے، لیکن وہ کار میں بھی کوئی خفیہ بات نہیں کر سکتے تھے، کیوں کہ کار میں ہونے والی گفتگو ڈاکٹر سلطری سن لیتے؛ چنانچہ انھوں نے کار میں بیٹھ کر ادھر ادھر کی بات چیت شروع کر دی۔ فرزانہ نے جیب سے کاغذ نکالا اور اس پر لکھا:

"ڈپٹی کمشنر صاحب کے دفتر چلیے۔ ہمیں ان سے ایک آدھ بات کرنا ہے۔"

خان رحمان نے سمجھ جانے والے انداز میں سر ہلایا۔ جلد ہی وہ ڈپٹی کمشنر کے دفتر کے سامنے اترے۔ ان کے سامنے پہنچ کر پہلے انھیں اپنا تعارف کرانا پڑا۔ ڈپٹی کمشنر صاحب چونک اٹھے:

"اوہو۔ آپ لوگ ہیں۔ حیرت ہے۔"

"بندھی پل کو اڑا دیا گیا ہے۔ کیا یہ خبر درست ہے؟" محمود نے پوچھا۔

"ہاں۔ بالکل درست ہے، لیکن آپ لوگوں کو کس طرح

معلوم ہوا؟"

"بس معلوم ہو گیا۔ اس کی مرمت کا ٹھیکا کس کو دیا گیا ہے۔"

"ایک پارٹی ہے۔ زوار اینڈ کو۔ ان لوگوں کو ٹھیکا دیا گیا ہے۔" انھوں نے بتایا۔

"زوار اینڈ کو۔ تو کیا آپ کے پاس تین آدمی آئے تھے؟"

"ہاں! راز عطیف نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ پل کا ٹھیکا انھیں دے دیا جائے۔ اب اگر میں انکار کرتا تو اس قسم کے نہ جانے کتنے اور دھماکے ہوتے اور کتنے پل اُڑتے۔" ڈپٹی کمشنر نے بتایا۔

"ان کے نام اور پتے مل سکتے ہیں؟"

"ضرور کیوں نہیں۔ فائل میں موجود ہیں۔ ابھی مل جاتے ہیں۔"

تینوں کے نام اور پتے لے کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ باہر نکل کر خان رحمان نے پوچھا:

"اب کیا پروگرام ہے؟"

"تینوں ایک ہی مکان میں رہتے ہیں، کیوں نہ ان سے دو دو باتیں کر لی جائیں۔" محمود بولا۔

"جبھی دیکھ لو۔ وہ پہلے ہی ہم پر خار کھائے بیٹھے ہیں۔"

"کوئی بات نہیں۔ کچھ اور خار کھا لیں گے۔" فرزانہ نے کہا۔

"اور کیا، انھیں بھلا خار کی کیا پروا۔" فاروق نے منہ بنایا اور خان رحمان نے کار کا رُخ ان کے گھر کی طرف کر دیا۔

"کیوں نہ پہلے ہوٹل میں فون کر کے پتا کر لیں، ابا جان آئے یا نہیں۔" اچانک فرزانہ نے کہا۔

"ہاں! یہ بھی مناسب رہے گا، کیوں کہ وہ بھی ہمارے ساتھ چلے چلیں گے۔"

کار کو ایک پبلک فون بوتھ کے سامنے روکا گیا۔ محمود نے نیچے اُتر کر فون کیا۔ عابد، سرور، ناز اور شائستہ وغیرہ ہوٹل میں موجود تھے، ان سے انسپکٹر جمشید کے بارے میں معلوم کر کے واپس آیا اور بولا:

"ابا جان ابھی نہیں آئے۔"

"خیر۔ آؤ چلیں۔" خان رحمان بولے۔

دس منٹ بعد وہ ایک چھوٹے سے مکان کے سامنے رُکے۔ مکان پر وہی نمبر تھا جو انھیں نوٹ کرایا گیا تھا۔ محمود نے دستک دی۔ جلد ہی دروازہ کھلا اور ان تینوں میں سے ایک کی شکل نظر آئی:

"تت۔ تت۔ تم۔"

"جج۔ جی۔ جی ہاں۔ ہم۔" فاروق نے اُسی کے انداز میں

کہا۔

"تم لوگ تو وہی ہو۔"

"جی ہاں۔ نظر تو وہی آتے ہیں۔" محمود نے کہا۔

"لیکن تم دونوں تو اس وقت نہیں تھے۔ اب کیا ہے؟"

"آپ سے ملنے آئے ہیں۔ ہم اس وقت بلا وجہ جھگڑ پڑے، حالانکہ جھگڑا کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں تھی۔" فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

"ہاں! بات تو ٹھیک ہے۔ چلیے خیر کوئی بات نہیں۔" اس نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔

"ارے ارے۔ بھئی۔ ایسی بھی کیا بے مروتی۔ ہم اتنی دور سے آپ سے ملاقات کرنے آئے ہیں اور آپ ہم پر اپنے گھر کا دروازہ بند کر رہے ہیں۔ دیکھیے جناب۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں اور شاید غیر اخلاقی بھی ہے۔"

"لیکن اب اس کی کیا ضرورت ہے۔ معذرت آپ نے کر لی، ہم نے معذرت قبول کر لی۔ بات آئی گئی ہو گئی، لہذا آپ تشریف لے جائیں۔ ملاقات کرنے کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔"

"ہوں۔ مشکل تو یہی ہے جناب کہ بات آئی گئی نہیں ہوئی اگر آئی گئی ہو گئی ہوتی تو ہم ہرگز یہاں نہ آتے۔ ویسے

ان باتوں میں بس یہی بات بڑی ہے کہ یہ آئی گئی نہیں ہوتیں۔"
فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

"کیا مطلب؟" اس نے بھنا کر کہا۔

"لیجیے۔ اب آپ بھی مطلب پوچھنے لگے۔ ہے کوئی تک۔ وحشت تیرے کی۔" فاروق بولا۔

"اے۔ خبردار۔ میرے تکیۂ کلام پر ہاتھ صاف کرنے کی کوشش نہ کرنا۔" محمود نے جھنجھلا کر کہا۔

"خیر کوئی بات نہیں۔ میں صرف تمہارے تکیے سے ہاتھ صاف کر لوں گا۔"

"یہ کیا اوٹ پٹانگ باتیں شروع کر دیں تم نے۔" خان رحمان غصے میں آ کر بولے۔

اس وقت تک وہ دروازے کے بالکل نزدیک پہنچ چکے تھے۔ اچانک محمود نے قدم اندر رکھ دیا:

"آ جائیے۔ انھوں نے ہمیں اندر داخل ہونے کی اجازت دے دی ہے۔ اب آ گئے ہیں تو دو گھڑی بیٹھ کر جائیں گے۔"

"آپ۔ آپ عجیب لوگ ہیں۔ بہت عجیب۔" اس نے تلملا کر کہا۔

"ہاں! اس میں کیا شک ہے۔"

اب وہ سب اندر داخل ہو گئے اور ان کی طرف بڑھے ۔ جوں ہی وہ سامنے نظر آنے والے کمرے میں داخل ہوئے ۔ ایک گرج دار آواز سنائی دی :

"خبردار ۔ ہاتھ اوپر اٹھا دو ۔"

الماری یا ۔۔۔

"بس یہیں روک لیجیے ۔ یہی ہے وہ سرخ کوٹھی ۔"

ڈرائیور کی آواز سنتے ہی ٹیکسی ڈرائیور نے ٹیکسی روک لی ۔ انسپکٹر جمشید نے ایک نظر کوٹھی پر ڈالی ۔ بہت شان دار قسم کی کوٹھی تھی ۔ انھوں نے بل ادا کیا اور ٹرک ڈرائیور کو ساتھ لے کر دروازے کی طرف بڑھے ۔ دستک کے جواب میں ایک ملازم نے دروازہ کھولا :

"ہمیں شاکر صاحب سے ملنا ہے ۔"

"جی ۔ کن سے ؟" ملازم نے حیران ہو کر کہا ۔

"شاکر صاحب سے ۔ جو بہت عرصہ پہلے دارالحکومت میں جیل سپرنٹنڈنٹ تھے ۔ اب ریٹائرمنٹ کی زندگی گزار رہے ہیں ۔"

"جی نہیں ۔ اس کوٹھی میں شاکر صاحب نہیں رہتے ۔"

"تو پھر ۔ کون رہتا ہے ؟"

"صابری امجد ۔"

"خیر — ہم ان سے ہی مل لیتے ہیں — مہربانی فرما کر انھیں اطلاع دیں۔"

"جی بہتر — آئیے — تشریف رکھیے۔"

ملازم انھیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر چلا گیا۔ جلد ہی قدموں کی آواز سنائی دی اور پھر ایک ادھیڑ عمر آدمی اندر داخل ہوا۔

"مجھے صابری امجد کہتے ہیں — فرمائیے — آپ کون حضرات ہیں اور کس سے ملنا چاہتے ہیں؟"

"میں انسپکٹر جمشید ہوں اور یہ میرے ساتھی ہیں — ہماری اطلاعات کے مطابق یہ کوٹھی شاکر صاحب کی ہے؛ لیکن شاید ایسا نہیں ہے۔"

"ہاں! وہ یہ کوٹھی میرے ہاتھ فروخت کر گئے تھے۔" صابری امجد نے کہا۔

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

"آپ کو ان سے کوئی خاص کام ہے؟"

"جی ہاں! بہت خاص — کیا آپ ان کا موجودہ پتا بتا سکتے ہیں؟"

"افسوس نہیں — وہ جاتے وقت اپنا پتا نہیں دے گئے تھے — یوں بھی انھیں گئے کئی سال ہو گئے۔"

"آپ کا کیا کاروبار ہے؟"

"کچھ بھی نہیں — میرا بیٹا ملک سے باہر گیا ہوا ہے — وہ وہاں انجینئر ہے — ہر ماہ ایک معقول رقم بھیج دیتا ہے اور میرا گزارا بخوبی ہو جاتا ہے۔"

"یہ تو بہت برا ہوا — کہ آپ کے پاس ان کا پتا نہیں — کیا یہ بھی معلوم نہیں کہ یہاں سے انھیں کس شہر میں جانا تھا؟"

"مجھے افسوس ہے، میں آپ کے کسی کام نہیں آ سکا۔"

"اس میں آپ کا کیا قصور — ارے ہاں — وہ یہاں سے اپنا سامان کس طرح لے گئے تھے — کیا ٹرکوں پر لاد کر؟"

"جی نہیں — مجھے یاد آگیا — وہ بذریعہ ٹرین اپنا سامان لے گئے تھے — کہہ رہے تھے — ٹرکوں کے ذریعے لے جانے میں بہت خرچ آتا ہے۔"

"اوہ!" انھوں نے مایوسانہ لہجے میں کہا اور پھر اٹھتے ہوئے بولے:

"ہم نے آپ کو زحمت دی، امید ہے، معاف فرمائیں گے — ہاں یاد آیا، کیا ان کے ساتھ ایک نوجوان ملازم بھی تھا؟"

"جی — نوجوان ملازم — ہاں بالکل تھا۔"

"شکریہ۔" وہ باہر کی طرف مڑتے ہوئے بولے۔

صابری امجد انھیں رخصت کرنے دروازے تک آیا اور وہ باہر نکل آئے۔

"یہ کیا ہوا بھئی؟" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر ڈرائیور کی طرف دیکھا۔

"میں کیا کر سکتا ہوں جناب؟"

"ہاں! اس میں آپ کا کیا قصور۔ آپ کا کام تو بس اتنا تھا کہ مجھے یہاں تک پہنچا دیتے۔ اور وہ آپ نے پہنچا دیا، لیکن ابھی آپ واپس نہیں جا سکیں گے۔ ایک آدھ دن کے لیے رُکنا ہو گا۔ شاید میں آپ سے ایک کام لوں۔"

"کوئی بات نہیں۔ رک جاؤں گا۔"

"آئیے پھر چلیں۔"

انھوں نے ایک ٹیکسی لی اور ہوٹل پہنچ گئے، لیکن یہاں محمود، فاروق، فرزانہ وغیرہ نہیں تھے۔

"تو یہ لوگ ابھی تک لوٹ کر نہیں آئے۔ خیر میں دیکھتا ہوں جا کر۔ آپ یہیں ٹھہریے۔ آرام کر لیں۔" انھوں نے ٹرک ڈرائیور سے کہا اور پھر باہر نکلے۔ راؤ منزل پہنچے۔ یہاں بھی وہ لوگ نظر نہیں آئے۔ عمارت سائیں سائیں کر رہی تھی۔ کچھ سوچ کر وہ اندر داخل ہوئے اور بولے:

"مسٹر راؤ لطیف۔ آپ میری آواز سُن رہے ہیں، مہربانی فرما کر میری بات کا جواب دیں۔"

ٹھیک ایک منٹ بعد راؤ لطیف کی آواز سنائی دی:

"کیا بات ہے انسپکٹر جمشید؟"

"تو آپ میری آواز پہچاننے لگ گئے ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرا دیے۔

"ہاں کیوں نہیں۔"

"محمود، فاروق وغیرہ کہاں ہیں، بتا سکتے ہیں؟"

"یہاں آئے تھے، لیکن یہاں سے کہیں اور گئے ہیں۔"

"کہیں اور سے کیا مراد۔ کیا آپ کو نہیں معلوم؟"

"معلوم تو ہے، لیکن بتاؤں گا نہیں۔"

"وہ کیوں؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"وہ لوگ اس وقت بہت بُرے پھنسے ہوئے ہیں۔ اور میرے اشارے پر پھنسے ہیں، ان حالات میں بھلا میں ان کا پتا کس طرح بتا سکتا ہوں۔"

"اوہ!" ان کے مُنہ سے نکلا۔

"اب اگر تم سراغرساں ہو تو ان کا سراغ لگا کر دکھاؤ۔ میں جانتا ہوں۔ تم دارالحکومت گئے تھے۔ اور اب سیدھے ڈاکٹر ... کی طرف جاؤ گے۔ کیوں ٹھیک ہے نا۔"

"ہاں۔ اس میں کوئی شک نہیں۔"

"لیکن میرا مشورہ ہے۔ پہلے اپنے بچوں کے لیے کچھ کرو۔ ورنہ کہیں کے نہیں رہو گے۔" اس نے کہا۔

"یہ مجھ پر چھوڑ دیں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں۔"
انھوں نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"ٹھیک ہے ۔ بالکل ٹھیک۔" اس نے جواب دیا اور پھر آواز آنا بند ہو گئی۔

انسپکٹر جمشید کی پیشانی پر . . . پڑ گئے۔

"اب کیا کیا جائے اکرام؟"

"میں بھی یہی کہوں گا ۔ پہلے آپ محمود، فاروق وغیرہ کا سُراغ لگائیں۔"

"لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ مجرم نے میری توجہ اپنی طرف سے ہٹانے کے لیے یہ چال چلی ہے ۔ شاید اب وہ محسوس کرنے لگا ہے کہ میں اس کا سُراغ لگانے کے قریب ہوں۔" انھوں نے جواب دیا۔

"اس کا سراغ تو آپ بعد میں بھی لگا لیں گے۔" اکرام نے کہا۔

"خیر یوں ہی سہی ۔ شاید وہ ڈپٹی کمشنر صاحب کے پاس گئے ہوں ۔ آؤ ان سے معلوم کریں۔"

انھوں نے فون پر ڈپٹی کمشنر صاحب سے رابطہ قائم کیا۔ سلسلہ ملنے پر اپنا تعارف کرانے کے بعد بولے:

"محمود، فاروق اور فرزانہ آپ کے پاس آئے تھے؟"

"ہاں ! زوار بیگ وغیرہ کا پتا معلوم کرنے کے لیے آئے تھے ۔ ان لوگوں کو بندھن پُل کا ٹھیکا دیا گیا ہے ۔ بندھن پُل کو کسی نے بم مار کر اڑا دیا ہے۔"

"اوہ ۔ اور ان کو ٹھیکا کیوں دیا گیا ۔ یہ کون لوگ ہیں؟"

"ٹھیکا دینے کا حکم راؤ لطیف نے دیا تھا ۔ میں نہیں جانتا، یہ تینوں کون ہیں۔"

"بہت خوب ۔ ان کا پتا لکھوا دیں۔"

پتا نوٹ کرنے کے بعد وہ سیدھے وہاں پہنچے ۔ دستک دی گئی ۔ جواب میں ایک بوڑھے آدمی نے دروازہ کھولا:

"ہمیں زوار بیگ صاحب سے ملنا ہے۔"

"وہ تو چلے گئے جناب۔" بوڑھا بولا۔

"چلے گئے ۔ کہاں چلے گئے؟"

"ملک کے دوسرے حصے میں۔"

"دوسرے حصے کا پتا معلوم ہے آپ کو یا نہیں؟"

"وہ پتا نہیں دے گئے ۔ اور نہ واپس آنے کے بارے میں کچھ کہہ گئے ہیں۔"

"ہوں! میں اس گھر کو اندر سے دیکھنا چاہتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے بوڑھے کو گھورا۔

"وہ کس لیے؟"

"جی - دیکھنا چاہتا ہوں - آپ کو کوئی اعتراض ہو تو ہم تلاشی کے وارنٹ لا سکتے ہیں۔"

"جی نہیں - اس کی ضرورت نہیں، آپ مکان کو اندر سے دیکھ لیں۔" بوڑھے نے کہا۔

"شکریہ - آپ کا زوار بیگ سے کیا تعلق ہے؟"

"میرا داماد ہے۔"

"ہوں - آپ ایک طرف ہٹ جائیے۔"

وہ اندر داخل ہوئے - گھر کی ایک ایک چیز کا جائزہ لیا اور پھر اچانک مسکرا دیے - ان کی نظریں بوڑھے پر جم گئیں۔

✿

انھوں نے چونک کر سامنے دیکھا، زوار بیگ اور اس کا ساتھی پستول تانے کھڑے تھے:

"مجھے معلوم تھا - تم یہاں بھی آؤ گے۔"

"اوہو، کمال ہے، تمھیں کس طرح معلوم تھا؟"

"اندازہ - اور پھر ہم تم لوگوں کی حرکات سے اچھی طرح واقف ہیں۔" زوار بیگ مسکرایا۔

"آپ کا مطلب ہے، ہم حرکتیں کرتے پھرتے ہیں۔" فاروق

نے بُرا سا منہ بنایا۔

"ہاں! اس میں کیا شک ہے۔"

"مہربانی فرما کر پستول جیب میں رکھ لیں، ہم آپ سے جھگڑا کرنے نہیں، صرف ایک سوال پوچھنے آئے ہیں۔"

"اور وہ سوال کیا ہے؟" زوار بیگ نے پستول جیب میں رکھے بغیر کہا۔

"یہ کہ تم لوگوں کا راؤ لطیف سے کیا تعلق ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔"

"پھر بندھن پل کا ٹھیکا اس قدر آسانی سے تمھیں کس طرح مل گیا؟"

"راؤ لطیف کی مہربانی سے - بس اس نے ہمارا مطالبہ منظور کر لیا۔"

"لیکن آپ لوگوں نے راؤ منزل میں یہ مطالبہ ہرگز نہیں کیا تھا کہ ٹھیکا آپ لوگوں کو دلا دیا جائے - گویا ہماری موجودگی کی وجہ سے بات اشاروں میں کی گئی - اور اس کا مطلب ہے، آپ لوگوں کا راؤ لطیف سے کوئی خاص تعلق ہے - اور وہی تعلق ہم جاننا چاہتے ہیں۔"

"افسوس! میری سمجھ میں تمھاری باتیں نہیں آ رہیں - مہربانی فرما کر اور وضاحت کریں۔"

"حیرت ہے۔ میں نے اتنی گاڑھی اردو میں تو بات نہیں کی۔" فرزانہ بولی۔

"گویا آپ کا خیال ہے، ہمارا راؤ عظیمت سے کوئی گہرا تعلق ہے؟"

"جی ہاں! اس میں ہمیں کوئی شک نہیں۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"تو پھر تعلق ثابت کرو اور ہمیں گرفتار کرا دو۔ ہماری طرف سے اجازت ہے۔" زوار بیگ غرایا۔

"آئیے چلیں۔ اب ہمیں ان لوگوں کو گرفتار کرانا ہو گا۔ یہ یوں نہیں مانیں گے۔" محمود نے مڑتے ہوئے کہا۔

"زوار بیگ۔ کہیں ہم غلطی تو نہیں کر رہے؟" اس کا ساتھی اچانک بولا۔

"کیا مطلب؟" زوار چونکا۔

"اگر یہ لوگ پولیس کو لے آئے؟"

"اوہ ہاں۔ اب تو انہیں روکنا ہی ہو گا۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ تیزی سے ان کی طرف لپکا اور چکر کاٹ کر ان کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"بہت خوب۔ تو تم ہمیں روکنے پر آمادہ ہو گئے ہو۔ ہم بھی یہاں رکنا ہی تو چاہتے تھے، تاکہ رک کر اس گھر کی

تلاشی لے سکیں۔"

"تلاشی۔ ہم تمہیں تلاشی لینے کے قابل رہنے کب دیں گے؟" زوار بیگ نے منہ بنایا۔

"اچھا۔ نہیں رہنے دو گے؟" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"آپ نے سنا انکل۔ یہ کیا کر رہے ہیں؟" فرزانہ نے خان رحمان کی طرف دیکھا۔

"ان کی ایسی کی تیسی۔" خان رحمان نے جھنا کر کہا اور پستول کی پروا نہ کرتے ہوئے زوار بیگ پر چھلانگ لگا دی۔ زوار بیگ کو شاید ایسی امید ہرگز نہیں تھی۔ پستول اس کے ہاتھ میں ہی رہ گیا اور وہ دوسری طرف الٹ گیا۔ خان رحمان کی دوسری ٹھوکر اس کے سر پر پڑی۔ دوسرے ہی لمحے وہ اس کے ہاتھ سے پستول چھین چکے تھے۔ ادھر محمود نے دوسرے پستول والے پر عین اس وقت حملہ کیا، جب وہ خان رحمان اور زوار بیگ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ محمود نے پہلا وار اس کے پستول والے ہاتھ پر کیا۔ پستول دور جا گرا۔ اور اس کے سر کی ٹھوکر اس کے پیٹ میں لگی۔ فرزانہ نے پستول کی طرف چھلانگ لگائی، لیکن عین اسی وقت تیسرے ساتھی نے بھی چھلانگ لگائی۔ فرزانہ اور وہ پورے زور سے ٹکرائے اور مخالف سمتوں میں دھڑام سے گرے۔

"اُہیں۔ یہ کیسی آواز تھی۔ کم از کم ناریل ٹکرانے کی تو نہیں تھی۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی فاروق پستول اچک چکا تھا۔۔۔ فوراً ہی اس نے کہا:

"پستول اُٹھانے کے لیے خاص ٹریننگ کی ضرورت ہے۔۔۔ اور تم دونوں نے وہ ٹریننگ حاصل نہیں کی۔ یہی وجہ ہے کہ زمین پر گرے پڑے ہو۔"

"بہت خوب۔ اب ذرا تم تینوں ہاتھ اوپر اٹھا دو۔۔۔ تاکہ ہم تم لوگوں کو نہایت آسانی سے باندھ سکیں۔ اور اس مکان کی تلاشی لے سکیں۔"

انھوں نے جیسے سنا ہی نہیں۔ یہ دیکھ کر محمود بولا:

"انکل۔ شاید ان کا خیال ہے۔ آپ کو پستول چلانا نہیں آتا۔ یا کم از کم چلانا تو آتا ہے، لیکن نشانہ لینا نہیں آتا۔"

"ان کی یہ مجال۔۔۔ میرے بارے میں ایسا سوچیں۔" یہ کہ کر خان رحمان نے ان کی ٹانگوں کا نشانہ لے کر ٹریگر دبانا ہی چاہا تھا کہ ان کے ہاتھ اوپر اُٹھ گئے۔

"ہائیں انکل۔ پستول کے ٹریگر کا اور ان کا تو چولی دامن کا ساتھ معلوم ہوتا ہے۔" فاروق چہکا۔

جلد ہی انھیں باندھ دیا گیا۔ اب انھوں نے مکان کی

تلاشی شروع کی۔ ایک الماری پر عجیب و غریب تالا لگا نظر آیا:

"اب اسے کس طرح کھولا جائے؟"

"پستول سے۔ کیوں کہ چابیاں استعمال کرنے میں تو وقت ضائع ہوگا۔"

"لیکن پستول کی آواز باہر جائے گی اور اس سے لوگ جمع ہوں گے۔"

"تو پھر آزماؤ چابیاں۔" خان رحمان بولے۔

محمود نے جیب سے چابیوں کا گچھا نکالا اور ایک ایک چابی تالے کو لگانے لگا، لیکن تالا نہ کھلا:

"انکل۔ ہم مکان کے تمام دروازے بند کر دیتے ہیں۔۔۔ اور پھر اس پر فائر کر دیتے ہیں۔ یہاں کوئی ٹیپ ریکارڈر یا ریڈیو موجود ہوگا۔۔۔ اسے پوری آواز سے لگا دیتے ہیں، اس طرح فائر کی آواز باہر نہیں جائے گی۔" فرزانہ نے برا سا منہ بنا کر ترکیب بتائی۔

"یہ ٹھیک رہے گا۔"

ترکیب پر عمل کیا گیا۔۔۔ دوسرے ہی لمحے تالا کھل گیا، لیکن اس وقت ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب وہ الماری ایک خفیہ دروازہ ثابت ہوئی۔۔۔

"ہائیں۔ اس مکان کے نیچے تو تہ خانہ ہے۔ یہ کیا بھئی"
انھوں نے مڑ کر زوار بیگ وغیرہ کی طرف دیکھا۔
"یہ بے چارے کیا جواب دیں گے۔ آؤ نیچے اتر کر دیکھیں"
وہ دھک دھک کرتے دلوں کے ساتھ نیچے اترنے لگے،
نیچے ایک ہال کمرہ نظر آیا۔ کمرے کی دیوار کے ساتھ ایک شخص بیٹھا تھا۔ اس نے کانوں سے ہیڈ فون لگا رکھے تھے،
وہ کسی سے بات کر رہا تھا:
"ہاں۔ ٹھیک ہے"
یہ الفاظ سن کر وہ اچھل پڑے، کیوں کہ آواز راؤ لطیف کی تھی۔

جال میں

"میں پورے یقین سے یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ میرے ساتھی یہاں آئے ضرور ہیں۔ مہربانی فرما کر ان کے بارے میں بتائیے، وہ کہاں ہیں"
"میں ابھی ابھی گھر آیا ہوں۔ زوار بیگ اور اس کے دونوں ساتھی مجھے یہاں چھوڑ گئے ہیں۔ انھیں کوئی فوری کام پڑ گیا تھا۔ تینوں ملک کے دوسرے حصے کی طرف روانہ ہونے ہیں، کہہ رہے تھے۔ دو ہفتے تک ان کی واپسی ہو سکے گی۔ آپ کے ساتھی اگر یہاں آئے ہیں تو میری عدم موجودگی میں۔ ویسے آپ نے یہ کیسے جان لیا کہ وہ یہاں آئے تھے"
"جب کسی جگہ انھیں کوئی خطرہ محسوس ہوتا ہے۔ تو وہ اپنا کوئی نہ کوئی نشان ضرور وہاں چھوڑتے ہیں۔ فرش پر پڑی بالوں کی پن دیکھ رہے ہیں آپ۔ یہ جو اس الماری کے پاس پڑی ہے۔ یہ میری بچی فرزانہ کی ہے۔ اب آپ کیا

کہتے ہیں۔"

"اس کے سوا کیا کہہ سکتا ہوں کہ وہ مجھ سے پہلے ہی یہاں سے جا چکے ہوں گے ۔ ورنہ مجھے ضرور نظر آتے۔"

"اس الماری میں کیا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے ، انھیں الماری پر ایک عجیب و غریب گھلا ہوا تالا نظر آیا۔

"ان تینوں کی ہی کچھ چیزیں ہوں گی۔"

"میں اسے کھولنا چاہتا ہوں ۔ اگر آپ اجازت دیں تو کھول لیا جائے۔"

"دیکھیے جناب ۔ یہ بالکل غیر قانونی ہوگا ۔ آپ کو چاہیے۔ پہلے وارنٹ لے آئیں ۔ شاید آپ یہ خیال کر رہے ہیں کہ آپ کے ساتھیوں کو اس گھر میں ہی کہیں قید کیا گیا ہے ، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔"

"تو پھر آپ ہمیں یہ الماری دیکھنے کی اجازت دیں۔"

"افسوس ! میں یہ اجازت نہیں دے سکتا۔"

"اکرام ۔ ان کا خیال رکھو ۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ وارنٹ لاؤں۔" یہ کہہ کر وہ الماری کی طرف بڑھ گئے ۔ اکرام نے فوراً پستول نکال لیا اور بوڑھے کی طرف تان دیا۔

"یہ ۔ یہ کیا ہو رہا ہے ۔ آپ لوگ آخر کیا کرنا چاہتے ہیں۔" بوڑھا چلایا۔

"خاموش رہیے ۔ آپ کی ہر بات کا جواب دیا جائے گا ۔ ہم کسی پر ظلم نہیں کرتے۔" اکرام نے منہ بنا کر کہا۔

انسپکٹر جمشید نے تالا نکالا ۔ پٹ کھولتے ہی وہ اچھل پڑے ، یہ ایک خفیہ دروازہ تھا۔

"اکرام ۔ اس کے سر پر پستول کا دستہ دے مارو ۔ تاکہ ہم دونوں اطمینان سے نیچے اتر سکیں۔" انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا ۔

بوڑھے کا منہ خوف سے کھل گیا ، اسی وقت اس کے سر پر پستول کا دستہ لگا اور وہ تیورا کر گرا ۔

"آؤ اکرام ۔ جلدی کرو ۔ نہ جانے محمود ، فاروق ، فرزانہ ، خان رحمان اور پروفیسر داؤد کا کیا حال ہوگا۔"

وہ جلدی جلدی سیڑھیاں اترتے چلے گئے ۔ پستول ان کے ہاتھوں میں تھے ۔ نیچے انھیں ایک ہال کمرہ نظر آیا ، لیکن وہاں کوئی بھی نہیں تھا ۔ انھوں نے ایک ایک چیز کا جائزہ لیا ، لیکن کسی انسان کی موجودگی کے کوئی آثار نظر نہیں آئے ۔

"یہ کیا اکرام ۔ وہ لوگ تو یہاں نہیں ہیں۔" انھوں نے پریشان ہو کر کہا۔

"ہو سکتا ہے سر ۔ وہ اس تہ خانے تک آ ہی نہ سکے ہوں۔"

"ہاں! ہو سکتا ہے۔ تمھارا خیال درست ہو، لیکن نہیں اکرام۔ ہم نے ذہن کا بغور جائزہ نہیں لیا۔ یہاں فلاڈوق کے خاص خوشبو والے پاؤڈر کی مہک رچی ہوئی ہے، بلکہ فرش پر پاؤڈر کے کچھ ذرات بھی صاف نظر آ رہے ہیں، جس کا مطلب ہے۔ وہ لوگ یہاں تک پہنچ گئے تھے۔ یہاں پہنچنے کے بعد ان پر کیا بیتی۔ یہ ہمیں جلد از جلد معلوم کرنا ہوگا۔ آؤ اس بوڑھے کو ٹٹولیں، کیوں کہ یہ بوڑھا بھی راؤ لطیف کا ہی آدمی ہے۔ ہم سے جھوٹ بول رہا ہے۔"

وہ اوپر آئے اور پھر چونک اٹھے۔ بوڑھا کمرے کے فرش پر موجود نہیں تھا۔ وہ تیزی سے دروازے کی طرف مڑے۔ اور یہ دیکھ کر دھک سے رہ گئے کہ دروازہ بدستور اندر سے بند تھا، گویا بوڑھا دروازے کے ذریعے فرار نہیں ہوا تھا۔

اب وہ چھت کی طرف دوڑے، لیکن بوڑھا چھت پر بھی نظر نہیں آیا۔ دونوں نے مکان کا ایک ایک کونا چھان مارا، لیکن بوڑھے کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ نہ ہی کوئی اور خفیہ راستہ نظر آ سکا۔ آخر تھک ہار کر انسپکٹر جمشید بولے:

"اب کیا کیا جائے اکرام۔ ہم ان لوگوں کا سراغ کھو بیٹھے۔ اگر بوڑھے کو اپنے ساتھ تہ خانے میں لے گئے ہوتے تو صورتِ حال یہ نہ ہوتی۔"

"مجھے افسوس ہے سر۔ یہ سب میری وجہ سے ہوا۔" اکرام بولا۔

"کیوں۔ تمھاری وجہ سے کیوں؟" انھوں نے حیران ہو کر کہا۔

"میں نے اسے بوڑھا خیال کرتے ہوئے پستول کا دستہ آہستہ مارا۔ اور وہ ہمارے تہ خانے سے لوٹنے سے پہلے ہی ہوش میں آگیا۔"

"پروا نہ کرو۔ ایسا بھی ہوتا ہے۔ وہ بچ کر کہاں جا سکتا ہے۔ آؤ چلیں۔ اب ہم یہاں زیادہ وقت ضائع نہیں کر سکتے۔"

باہر نکل کر انھوں نے ٹیکسی پکڑی اور سیدھے ڈپٹی کمشنر کے پاس پہنچے۔ سارے حالات انھیں سنائے اور پھر بولے:

"مجھے چند بہت ہی ایمان دار آدمیوں کی ضرورت ہے، تاکہ اس وادی کو میں راؤ لطیف کے چنگل سے نکال لوں۔"

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ کیا ایسا ممکن ہے؟"

"ہاں۔ ضرور کیوں نہیں۔ اب اس کے انجام کا وقت آ چکا ہے۔ اس نے اس پوری وادی پر اپنی حکومت قائم کرنا چاہا تھا۔ پروگرام یہ تھا کہ وادی میں ملک کا قانون نہ چلے۔ صرف اسی کا حکم چلے۔ اور یہ کام یہاں شروع بھی ہو چکا تھا، لیکن میں بھلا اپنے ملک میں ایسی حرکات کب برداشت کر سکتا ہوں۔ اسی لیے میں نے اس مرتبہ سیر کے بہانے یہاں کا پروگرام بنایا۔

تھا۔ یہاں کے حالات کی اُڑتی اُڑتی خبریں مجھے مل گئی تھیں۔"

"تو کیا آپ جان گئے ہیں کہ راؤ لطیف کون ہے؟"

"ابھی نہیں، لیکن میں ایک تجربہ کروں گا اور اس تجربے کے لیے مجھے بارہ آدمیوں کی ضرورت ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ اگر ہمیں راؤ لطیف جیسے آدمی سے نجات مل جائے تو بات ہی کیا ہے۔" ڈپٹی کمشنر نے خوش ہو کر کہا۔

آدھ گھنٹے کے بعد وہ بارہ آدمیوں کو ساتھ لے کر وہاں سے روانہ ہوئے اور ایک الگ تھلگ جگہ پہنچ کر ان لوگوں کو ہدایات دیں، پھر انھیں مختلف سمتوں میں جاتے ہوئے دیکھتے رہے، آخر جب صرف اکرام ان کے پاس رہ گیا تو بولے:

"آؤ اکرام۔ پہلے ڈاکٹر سلطری سے دو دو باتیں ہو جائیں۔"

"تو آپ کے خیال میں ڈاکٹر سلطری ہی راؤ لطیف ہے؟"

"اگر نہیں ہے تو بھی اس کا گہرا تعلق راؤ لطیف سے ضرور ہے۔" انھوں نے کہا۔

"اور اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایس پی شاکر اصل مجرم ہے۔ اسی نے ڈاکٹر سلطری عرف شمو کالسی کو جیل سے نکالا تھا اور اس کی جگہ ایک بے گناہ کو جیل میں رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس بے گناہ کا جوان بیٹا بھی ایس پی شاکر کے پاس ہے۔" اکرام نے جلدی جلدی کہا۔

"ہاں اکرام۔ یہ ٹھیک ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ ایس پی شاکر کہاں ہے۔"

"یہ ہمیں ڈاکٹر سلطری بتائے گا۔" اکرام مسکرایا۔

"بالکل ٹھیک۔ اسی لیے ہم اس کی طرف جا رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

جلد ہی وہ ڈاکٹر سلطری کی کوٹھی کے سامنے ٹیکسی سے اترے، دستک کے جواب میں نوکر نے دروازہ کھولا۔

"جی فرمائیے۔"

"ہمیں ڈاکٹر سلطری صاحب سے ملنا ہے۔"

"وہ تو جناب اپنے کمرے میں آرام کر رہے ہیں۔ یہ وقت ان کے سونے کا ہے۔"

"لیکن ہمیں ان سے بہت ضروری کام ہے، اس لیے انھیں جگانا ہی ہو گا۔"

"وہ مجھ پر بگڑیں گے۔"

"اس کی ذمے داری ہم لیتے ہیں، نہیں بگڑیں گے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اچھی بات ہے۔" نوکر نے کہا اور انھیں وہیں چھوڑ کر چلا گیا۔ جاتے وقت دروازہ بھی جوں کا توں چھوڑ گیا۔

"آؤ اکرام۔ موقع اچھا ہے۔" انسپکٹر جمشید دبی آواز میں

ہوئے اور دبے پاؤں اندر داخل ہو گئے۔ یہاں تک کہ ڈمکر کے پیچھے چلتے ہوئے ڈاکٹر سلمری کے کمرے کے نزدیک پہنچ گئے۔ اسی وقت ڈمکر نے دستک دی اور بولا:

"ڈاکٹر صاحب۔ انسپکٹر جمشید آپ سے ملنے آئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ایک ضروری کام ہے۔"

ڈاکٹر سلمری کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا تو ڈمکر نے پھر زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اور پھر یہی الفاظ ادا کیے، مگر دوسری طرف سے اب بھی جواب نہ ملا۔ ڈمکر نے تیسری مرتبہ دستک دی۔ اور اس مرتبہ بری طرح کھٹ کھٹ کی، لیکن ڈاکٹر سلمری کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ اب انسپکٹر جمشید سے رہا نہ گیا۔ بول اٹھے:

"بہت گہری نیند ہے ڈاکٹر صاحب۔"

"جی نہیں تو۔ گہری نیند تو ہرگز نہیں سوتے۔ ارے۔ آپ اندر چلے آئے۔ یہ کیا؟"

"ہاں! ہم نے سوچا۔ کہیں آپ کو دقت نہ ہو۔ اور واقعی جگانے میں دقت ہو رہی ہے۔ میرا خیال ہے۔ ہم تینوں مل کر دستک دیتے ہیں۔"

"ڈ۔ ڈاکٹر صاحب ناراض ہوں گے۔"

"نہیں ہوں گے۔ آؤ اکرام۔" انھوں نے کہا۔ دونوں آگے

بڑھے۔ اور دروازے کو پوری قوت سے دھڑ دھڑا ڈالا۔ لیکن ڈاکٹر سلمری تو شاید گھوڑے بیچ کر سوئے تھے:

"اکرام۔ شاید گڑبڑ ہے۔ آؤ۔"

یہ کہہ کر وہ پیچھے ہٹے اور دوڑ کر دروازے کو ایک ٹکر رسید کی۔ اکرام نے بھی یہی کیا، پھر تو پے در پے ٹکریں لگتی چلی گئیں۔ ڈمکر پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ کارروائی دیکھتا رہا، لیکن منہ سے کچھ نہ بولا، آخر دروازے کے قبضے اکھڑ گئے۔ وہ اندر داخل ہوئے اور پھر ڈمکر اپنی چیخ کسی طرح نہ روک سکا۔

ڈاکٹر سلمری اپنے بستر پر مردہ پڑا تھا۔ اس کی آنکھیں باہر کو ابلی ہوئی تھیں۔ دوسری طرف کی ایک کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ شاید اسے گلا گھونٹ کر ہلاک کیا گیا تھا۔

❋

"لو بھئی اکرام۔ ڈاکٹر سلمری تو گئے کام سے۔ راؤ لطیف نے یہ کام صرف اس لیے دکھایا کہ ہم ان سے اس کے بارے میں کچھ معلوم نہ کر سکیں۔"

"لیکن سر! راؤ لطیف کو ایسی کیا ضرورت پڑ گئی تھی کہ

شموکانسی کو جیل سے نکال کر یہاں لایا۔"

"شموکانسی ۔ خوف و ہراس پھیلانے کا ماہر تھا ۔ راؤ لطیف کو اس وادی میں خوف و ہراس پھیلا کر اپنا کام نکالنا تھا، لہذا اس نے شموکانسی کی ضرورت محسوس کی۔"

"تو کیا اس کا پہلے سے یہ پروگرام تھا؟"

"اللہ ہی بہتر جانتا ہے، پہلے سے تھا یا بعد میں پروگرام بنا ۔ یہ ظاہر ہے کہ اس نے شموکانسی کو باہر نکالنے کا پروگرام پہلے سے بنا لیا تھا ۔ کیونکہ اِدھر وہ جیل گیا، اُدھر اس نے اس کی جگہ آدمی تیار کر لیا ۔ اوہو ۔ اب بات سمجھ میں آئی ۔ دراصل شموکانسی اور راؤ لطیف شروع سے ایک دوسرے کے ساتھی تھے ۔ وارداتیں کی گئیں ۔ ان کی آپس کی رضامندی سے کی گئیں ۔ یہی وجہ ہے کہ جب شموکانسی پکڑا گیا تو راؤ لطیف ۔ یعنی ایس پی شاکر نے اسے تسلی دی کہ فکر نہ کرو ۔ تم جیل میں نہیں رہو گے ۔ بالکل ٹھیک ۔ یہی ہوا ہے ۔ جیل سے اسے اسی وقت باہر نکال لیا گیا ۔ ایس پی شاکر نے ریٹائرمنٹ کے بعد بھی اسے اپنا ساتھی بنائے رکھا ۔ وادی پر حکمرانی کرنے کا پروگرام بعد میں بنا ۔ پہلے تو انھوں نے یہاں صرف رہائش اختیار کرنے کا پروگرام بنایا ہوگا۔"

"ہوں ۔ بات دل کو لگتی ہے ۔ ضرور ایسا ہی ہوا ہے۔"

"ٹھہرو ۔ پہلے میں پولیس کو فون کر دوں ۔ اس کے بعد ہم اپنے تجربے پر عمل کریں گے۔"

اِدھر اُدھر فون کیے گئے ۔ آخر پولیس وہاں پہنچ گئی ۔ معاملات ان کو سونپ کر وہ وہاں سے نکلے ۔ بارہ آدمیوں کو تمام ہدایات پہلے ہی دے دی گئی تھیں ۔ وقت کا حساب لگا کر وہ راؤ منزل کی طرف روانہ ہوئے ۔ اور جس وقت وہاں پہنچے ۔ رات کے نو بج رہے تھے ۔ عمارت کے چاروں طرف ہو کا عالم طاری تھا:

"مسٹر راؤ لطیف ۔ مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔ انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ انتظار کرنے لگے ۔ ٹھیک دو منٹ بعد راؤ لطیف کی آواز سنائی دی:

"ہاں انسپکٹر جمشید ۔ کیا بات ہے ۔ اپنے بچوں کے لیے تو پریشان نہیں ہو؟"

"نہیں ۔ ان کے بارے میں تو معلوم ہے ۔ وہ آپ کے پاس ہیں ۔ اور ظاہر ہے، خیریت سے ہوں گے ۔ میں تو آپ سے ڈاکٹر سہری کے بارے میں بات کرنے آیا ہوں ۔ اسے آپ نے کیوں ختم کر دیا ۔ وہ تو آپ کا بہت پرانا ساتھی تھا۔"

"ہاں، اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ میرا بہت پرانا

ساتھی تھا، لیکن کیا کرتا۔ تم اس سے میرا موجودہ نام پتا ضرور اگلوا لیتے۔ اور میں جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہوتا۔"

"اب جب کہ تم اپنے آپ کو محفوظ کر چکے ہو۔ میرے ساتھیوں کو قید میں رکھنے کی کیا تک ہے۔"

"میں نے تم سے کہا تھا نا کہ اس وادی کے معاملات میں ٹانگ نہ اڑانا، لیکن تم نے میری ایک نہیں سنی۔ اب نتیجہ دیکھ لو۔"

"ہوں۔ کیا پروگرام ہے۔"

"میں تمھارے ساتھیوں کو چھوڑنے پر تیار ہوں۔ ایک شرط پر۔"

"چلو۔ شرط بتاؤ۔"

"تمھارا ساتھی بہت دولت مند آدمی ہے۔ اس کی دولت میں سے ایک حصّہ مجھے دے دو۔ زیادہ نہیں۔ صرف پچاس لاکھ روپے کا مطالبہ ہے۔"

"آخر تم اتنی دولت کا کیا کرو گے۔ وادی کو تو پہلے ہی دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہو۔"

"میں اتنی دولت کا کیا کروں گا۔ یہ اچھا سوال ہے۔ دولت تو جتنی بھی ہو، کم معلوم ہوتی ہے۔ کیا تم نہیں جانتے۔"

"نہیں۔ میں اس بات کو نہیں جانتا۔"

"تمھارے جاننے یا نہ جاننے سے کیا ہوتا ہے۔"

"خیر۔ یہ سودا مجھے منظور ہے۔ ادائیگی کا طریقہ کیا ہوگا؟" انھوں نے پوچھا۔

"اکاؤنٹ نمبر تمھیں بتا دیا جائے گا۔ اس میں رقم جمع کرا دینا۔ تمھارے ساتھی دارالحکومت پہنچ جائیں گے۔"

"لیکن چیک تو میرے ساتھی ہی لکھیں گے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ تمھارا ساتھی صبح سے پہلے تمھارے پاس پہنچ جائے گا۔"

"ہوں! ٹھیک ہے۔ تو پھر ہم ہوٹل پہنچتے ہیں۔" انھوں نے جواب دیا۔

"اچھی بات ہے، لیکن ایک وعدہ بھی کرنا ہوگا۔"

"اور وہ کیا؟"

"تم پھر اس وادی کا رخ نہیں کرو گے۔ تمھاری وجہ سے مجھے اپنے بہت ہی بہترین آدمی سے ہاتھ دھونا پڑے ہیں۔ اصل کام اس نے کیا ہے۔ میں نے تو صرف حکم چلائے ہیں۔"

"مجھے یہ شرط بھی منظور ہے۔ میں تمھارے لیے اس وادی کا دوبارہ رخ نہیں کروں گا۔ مطلب یہ کہ سیر اور تفریح کی

غرض سے تو آنا ہی پڑ جاتا ہے۔ یا کسی اور کام سے بھی آدمی آجاتا ہے۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ اب جلدی سے ہوٹل پہنچو۔"

آواز کا سلسلہ بند ہو گیا۔ انسپکٹر جمشید نے فوراً گھڑی پر نظر ڈالی۔ بات شروع ہونے سے پہلے بھی انھوں نے گھڑی پر نظر ڈالی تھی۔ اس کے بعد وہ اسی ٹیکسی میں وہاں سے روانہ ہوئے۔ اور ایک گھنٹے سے ہوٹل میں پہنچے۔ جلد ہی وہاں ان بارہ آدمیوں کی آمد شروع ہو گئی۔ ایک ایک کرکے آخر وہ پورے ہو گئے۔

"ہاں بھئی۔ نو بج کر دو منٹ سے لے کر پانچ منٹ تک کون ملاقات کے درمیان اُٹھ کر چلا گیا؟"

"میں جن سے ملنے گیا۔ وہ ٹھیک نو بج کر ڈیڑھ منٹ پر معذرت کرکے اُٹھ گیا اور ٹھیک نو بج کر ساڑھے پانچ منٹ پر واپس آیا۔"

"اس وقت کے دوران کسی اور کا ملاقاتی تو اُٹھ کر نہیں گیا۔"

گیارہ کے گیارہ آدمیوں نے نفی میں سر ہلا دیے۔ ان لوگوں کو انسپکٹر جمشید نے مختلف لوگوں کے گھروں میں کچھ لوگوں

سے ملاقات کرنے کی ہدایات دی تھیں، کیوں کہ انسپکٹر جمشید کے خیال میں داؤ لطیف ان بارہ میں سے ایک تھا۔ ان بارہ آدمیوں میں شہر کے بڑے بڑے پولیس آفیسر بھی تھے اور دوسرے بڑے بڑے عہدے دار بھی۔ کیس سے متعلق باقی لوگ بھی تھے۔

"بہت خوب۔ تو پھر آؤ چلیں۔ مجرم ہمارے جال میں آچکا ہے۔" انسپکٹر جمشید پُرجوش انداز میں بولے۔۔۔

سرکاری ٹانگ

وہ ایک بڑے سے گھر کے سامنے رُکے۔ اس گھر کو وہ پہلے ہی دیکھ چکے تھے۔ دروازے پر دستک دی گئی۔ چند سیکنڈ بعد ہی دروازہ کھلا اور برنم کی صورت نظر آئی۔ ان پر نظر پڑتے ہی وہ دھک سے رہ گیا۔ آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔

"آپ۔ یعنی کہ آپ" وہ بوکھلا اٹھا۔

"جی ہاں ہم۔ کیا آپ کو ہماری آمد ناگوار گزری" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی۔ نہیں تو" وہ بولا۔

"ہمیں بھی محسوس ہوا تھا، خیر یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ کو برا محسوس نہیں ہوا۔ آپ کے ساتھی یعنی راحت کمالی صاحب تو تشریف فرما ہیں نا"

"جی ہاں! اپنے کمرے میں آرام کر رہے ہیں"

"مہربانی فرما کر ہمیں ان کے کمرے تک لے چلیے" انھوں نے کہا۔

"آپ ڈرائنگ روم میں بیٹھیے۔ میں انھیں اطلاع کرتا ہوں"

"جی نہیں۔ مہربانی فرما کر ہمیں ان کے کمرے تک لے چلیے" انھوں نے پھر کہا، لیکن اس مرتبہ انداز ذرا تیز تھا۔

"کیا مطلب" وہ چونک اٹھا۔

"آپ مطلب کس بات کا پوچھ رہے ہیں، پہلے تو یہ بتائیے"

"آخر میں آپ کو سیدھا ان کے کمرے میں کیوں لے جاؤں، جب کہ وہ ملاقاتیوں سے ڈرائنگ روم میں بات کرنا پسند کرتے ہیں" برنم بولا۔

"چھوڑیے ان باتوں کو۔ اور صرف میرے دائیں ہاتھ کی طرف دیکھیے" انسپکٹر جمشید نے دوستانہ انداز میں کہا۔ انھوں نے یہ کہتے ہی ہاتھ جیب سے نکال لیا۔ برنم نے دیکھا، اس میں ایک ننھا سا پستول تھا۔

"بھئی کیا دیکھ رہے ہیں، بالکل اصلی ہے"

"یہ۔ یہ کیا" وہ ہکلایا۔

"ہمیں مسٹر راحت کمالی تک لے چلو۔ تمھاری خیریت اسی میں ہے"

"پہنچ — چلیے۔"

وہ ان کے پیچھے چلتے ایک کمرے میں آئے۔ کمرے میں ایک آرام دہ بستر بچھا تھا، لیکن یہاں کوئی بھی نہیں تھا، البتہ کمرے کی سامنے والی دیوار میں ایک دروازہ نظر آیا، اس دروازے سے سیڑھیاں نیچے جا رہی تھیں۔ برزم نے ان پر ایک نظر ڈالی تو انھوں نے اشارہ کیا:

"منہ سے آواز نہ نکالنا۔ آگے بڑھو۔" یہ کہتے ہوئے انھوں نے پستول کی نالی اس کی کمر پر رکھ کر آگے کی طرف دھکا دیا۔

اسے زینے کا رُخ کرنا پڑا۔ پھر وہ سیڑھیاں اُترنے لگا، وہ بھی دبے پاؤں اس کے پیچھے سیڑھیاں اُترنے لگے۔ نیچے ایک ہال کمرہ نظر آیا، جہاں مختلف قسم کے آلات نصب تھے۔

"کون تھا برزم۔ تم نے کر دیا نا۔ میں اس وقت نہیں مل سکتا۔" نیچے سے راحت کاملی کی آواز سنائی دی۔ جواب میں برزم نے جب کچھ نہ کہا تو اس نے مڑ کر دیکھا اور پھر بُری طرح اچھلا۔ آنکھیں پھٹ پڑیں، پھر ان میں خوف سما گیا:

"نن — نہیں — نہیں — شاید میں خواب دیکھ رہا ہوں۔"

"نہیں مسٹر ایس پی شاکر۔ یہ خواب نہیں — حقیقت ہے — ہم نے آخر تمہارا سُراغ لگا ہی لیا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔ محمود فاروق وغیرہ موجود تھے — انھیں زوار بیگ کے گھر سے یہاں لا

کر ان کے ہاتھ پیر باندھ دیے گئے تھے۔ اکرام نے آگے بڑھ کر انھیں رسیوں کی گرفت سے آزاد کر دیا۔

"ل — لیکن — یہ کیسے ہو گیا؟" راحت کاملی ہکلایا۔

"ان صاحب کو غور سے دیکھیے — یہ آپ سے ملاقات کرنے آئے تھے نا — بس میں اسی وقت میں راؤ منزل میں تھا۔"

"لیکن تم نے یہ کیسے جان لیا کہ میں راؤ لطیف ہوں؟" اس کے لہجے میں اب بھی حیرت تھی۔

"یہ تو میں نے بعد میں جانا — میں نے بارہ آدمیوں کے گھروں میں ایک ہی وقت میں ملاقاتی بھیجے تھے — اور پھر راؤ منزل میں جا کر راؤ لطیف کو مخاطب کیا — بارہ میں سے صرف آپ اپنے ملاقاتی کو چھوڑ کر اُٹھے، چنانچہ میں یہاں موجود ہوں — کیا خیال ہے — اپنے جرم کا اقرار ہے یا نہیں؟"

"اگر میں انکار کر دوں کہ یہ شخص مجھ سے ملنے آیا ہی نہیں — سب مجھ پر الزام لگایا جا رہا ہے؟"

"تب بھی میں دو طرح ثابت کر سکتا ہوں کہ آپ ہی راؤ لطیف عرف ایس پی شاکر ہیں۔"

"دو طرح کون سی ہیں؟" اس نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"ابھی کچھ لوگ یہاں پہنچنے والے ہیں، ان کی موجودگی میں

بتاؤں گا۔"

"کیا مطلب — کون لوگ آنے والے ہیں؟"

"کچھ ذمے دار لوگ — مثلاً ڈپٹی کمشنر — ایس پی صاحب وغیرہ۔"

"اوہ — میں دیکھ لوں گا۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"ہاں! دیکھنا تو آپ کو پڑے گا ہی — میرا مطلب ہے، اپنا انجام۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

راحت کاملی اسے گھور کر رہ گیا، اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی:

"جاؤ فاروق — ان لوگوں کو لے آؤ۔"

"جی بہتر!" اس نے کہا اور جلدی سے باہر نکل گیا — عین اسی لمحے راحت کاملی نے اپنی جگہ سے چھلانگ لگائی۔ اس کا رُخ دروازے کی طرف تھا، لیکن دروازے کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی اوندھے منہ گرا — محمود تو پہلے ہی اس انتظار میں تھا کہ کب وہ فرار ہونے کی کوشش کرے اور کب وہ ٹانگ اڑائے۔

"اسے کہتے ہیں سرکاری ٹانگ۔"

"تم کیوں گرے بھئی — اٹھ جائیے — یہ لوگ کیا خیال کریں گے۔" فرزانہ نے اس کی طرف ایک قدم بڑھایا — اس نے جھلاہٹ کے عالم میں ایک لات اس کی طرف چلائی، لیکن فرزانہ

پہلے ہی تیار تھی — اُچھل کر دُور ہٹ گئی — اس کی لات ہوا میں جھول کر رہ گئی — اس سے پہلے کہ وہ اُٹھ سکتا — قدموں کی آواز اُبھری — اور بہت سے لوگ اندر داخل ہوئے — ادھر پروفیسر داؤد شکایتی لہجے میں بولے:

"جمشید — اس کیس میں اُلجھ کر ہم سیر کو تو بالکل بھول ہی گئے۔"

"فکر نہ کریں پروفیسر صاحب — اب ہم اس وادی کی سیر ضرور کریں گے — وادی آزاد ہو گئی ہے۔"

"وادی آزاد ہو گئی ہے — کیا مطلب — کیا پہلے یہ غلام وادی تھی؟"

"جی ہاں! اس کے غلام ہونے میں کیا کسر رہ گئی تھی۔" وہ بولے۔

انسپکٹر جمشید نے تفصیلات سنانا شروع کیں — حاضرین کے چہروں پر حیرت بڑھنے لگی — اور جب ان کی کہانی ختم ہوئی تو ان کے منہ کھل چکے تھے، پھر راحت کاملی کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں نظر آئیں اور جب ہتھکڑیاں برنم کی طرف بڑھنے لگیں تو انسپکٹر جمشید بول اُٹھے:

"نہیں — اس جرم میں اس کا کوئی قصور نہیں — یہ لڑکپن میں ہی ایس پی شاکر کے قبضے میں آ گیا تھا — اور اپنے باپ کی خاطر

اس کے احکامات ماننے پر مجبور تھا۔ دراصل ایس پی شاکر نے دوہری چال چلی تھی۔ بیٹے کو باپ کی موت کی دھمکیاں دیتا رہا اور باپ کو بیٹے کی زندگی کی خاطر جیل میں سڑاتا رہا۔ ایک مدت بعد یہ باپ بیٹا ملیں گے اور آپ بیٹے کو ہتھکڑیاں پہنا رہے ہیں۔ اس کے والد تو پہلے ہی بے گناہ جیل کاٹ چکے ہیں۔ رہ گئی ثبوت کی بات، ہر ملاقاتی کو ایک ایک خفیہ ٹیپ ریکارڈر دیا گیا تھا۔ یہاں ہونے والی گفتگو بھی ٹیپ کی گئی ہے، پھر ماحت کالی میرے پاس جو خط لے کر آیا تھا، وہ خود اسی کی تو تحریر ہے۔"

"اس کا مطلب ہے۔ چکر کا پروگرام ختم۔ اور میر کا پروگرام شروع۔" فرزانہ نے چہک کر کہا۔

"ہاں! اس میں کیا شک ہے۔"

"یقین بھی نہیں کر لینا چاہیے۔ کیا خبر۔ ادھر ہم میر کا پروگرام شروع کریں، ادھر دوسرا چکر شروع ہو جائے۔ ہمارے ہوتے ہوئے چکروں کی کیا کمی ہے۔ کیا خیال ہے۔" فاروق بولا۔

خان رحمان نے ایک دھپ اس کی کمر پر رسید کر دیا اور بولے۔

"اچھا خیال ہے۔"

"غلام وادی" کا انعامی سوال

س: صفحہ نمبر ۵۲ پر انسپکٹر جمشید کو حیرت کس بات پر ہوئی تھی؟
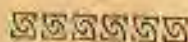
- ۲۵۰/ روپے کا نقد انعام پانچ برابر حصوں میں تقسیم کیا جائے گا —
- انعام بذریعہ قرعہ اندازی دیا جائے گا —
- قرعہ اندازی موصول ہونے والے تمام درست جوابات میں کی جائے گی —
- اپنا جواب بالکل الگ کاغذ پر لکھیں، اس کاغذ پر صرف اپنا نام اور پتا لکھیں۔ اور کچھ نہ لکھیں —
- کم از کم کاپی سائز کا کاغذ استعمال کریں —
- چھوٹے کاغذ قرعہ اندازی میں شامل نہیں کیے جاتے —
- جوابات ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ تک وصول کیے جاتے ہیں —

(ادارہ)

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۱۳۶

بھیانک روپ

مصنف: اشتیاق احمد

- ایک عورت کا شوہر گم ہو گیا تھا۔
- اس بار اُن کا واسطہ ایک پُراسرار ہمدرد سے پڑ گیا۔
- وہ ہمدرد، انھیں عجیب و غریب خبریں دینے لگا۔
- گھنے جنگل میں ایک زبردست جھڑپ، ہنگامہ۔
- آخر یہ سب کیا تھا، کیوں تھا، انھوں نے سراغ کس طرح لگایا۔

ایک دلچسپ ترین ناول۔

قیمت: چھ روپے

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۱۳۷

مصنف: اشتیاق احمد

- ہوٹل میں تیسری واردات — سنسنی کی لہر —
- اس وقت محمود، فاروق اور فرزانہ ہال میں ہی تھے —
- ان کی آنکھوں کے سامنے ایک شخص گرا۔ اس کا سر پاش پاش ہو چکا تھا —
- عین اسی وقت ایک شخص ہوٹل کے باہر دیوار پر ایک پوسٹر لگا رہا تھا —
- اور یہ پوسٹر قاتل کی طرف سے تھا —
- قاتل کا اعلان اور بھی خوفناک تھا —
- محمود، فاروق پر کیا گزری۔ آپ دھک سے رہ جائیں گے

قیمت: چھ روپے

آئندہ ناول کی ایک جھلک

آفتاب، آصف، فرحت اور انسپکٹر کامران مرزا سیریز نمبر ۵۰

پُرانے جراثیم

— مصنف: اشتیاق احمد —

- جنگل میں تڑا تڑ ہو رہی تھی —
- لیکن گڈریا بالکل بے فکر تھا —
- انسپکٹر کامران مرزا کو کار روکنا پڑی —
- آفتاب، آصف اور فرحت بھی دلچسپی لینے پر مجبور ہو گئے —
- ہولناک جراثیموں کی کہانی —
- آپ آخر تک مجرم کو نہیں پہچان سکیں گے — لیکن یہ دعویٰ نہیں — صرف خیال ہے جو غلط بھی ہو سکتا ہے —

قیمت: چھ روپے

آئندہ ناول کی ایک جھلک

شوکی سیریز نمبر ۳۴

آدھا مقتول

— مصنف: اشتیاق احمد —

- ایک شخص — جو اپنا نام فیاض مرحوم بتاتا تھا —
- اس کا کہنا تھا کہ اسے قتل کر دیا گیا ہے —
- لیکن اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کا قاتل کون ہے —
- وہ شوکی برادرز کے ذریعے اپنے قاتل تک پہنچنا چاہتا تھا —
- سسپنس ہر لمحے بڑھتا ہی چلا جائے گا —
- آخر میں آپ دھک سے رہ جائیں گے —

قیمت: چھ روپے

آئندہ ناول کی ایک جھلک

انسپکٹر ارسلان سیریز ۲

ہر قدم پر موت

— مصنف : آفتاب احمد —

- آفتاب احمد کا دوسرا ناول —
- ایک سنسنی خیز مہم — موت ہر قدم پر منہ کھولے کھڑی تھی —
- دشمن ملک میں آپ کے یہ نئے کردار کس طرح اُترے —
- اُن کے اُترنے پر کیا واقعات پیش آئے —
- مہم کیا تھی — آپ پر جوش کی حالت طاری ہو جائے گی —
- اس بار آفتاب احمد نے ناولٹ نہیں، پورا ناول لکھ مارا —
- رونگٹے کھڑے کر دینے والے مناظر —

قیمت : چھ روپے

نومبر کو پڑھیے

پستول والا کا انعام

جواب یہ تھا : بعد میں ۔

●

قرعہ اندازی کے بعد درج ذیل پانچ قارئین کو پچاس روپے فی کس انعام روانہ کیا جا رہا ہے

(۱) محمد محبوب اختر معرفت الیاس کریانہ سٹور جھنڈا چیچی ، راولپنڈی

(۲) نعیم حمید معرفت عبدالحمید بی ۔ ۳۲۸ سیٹلائٹ ٹاؤن نزد بجلی گھر سی گلی نمبر ۱۰ گوجرانوالہ

(۳) عابد حسن مکان نمبر ۵ ۔ ۳۲۸ بہار کالونی الفلاح روڈ ، کراچی ۲

(۴) نجمل الیاس بی ۔ ۲۶ ، ایس / ۲۸ اسلام آباد کالونی ، سمن آباد لاہور

(۵) حمید الرحمن مکان نمبر ایم ۔ ۱۲۰۵ گلی نمبر ۵۵ ، امرپورہ ، راولپنڈی

○○○○○○○